بیادگار

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند
استاذ حضور تاج الشریعہ
معروف بہ حضور فخر بہار
حضرت علامہ

مفتی غلام رسول حشمتی علیہ الرحمہ

ماہنامہ

فخرِ بہار

علم و حکمت کا مجموعہ

مدیرِ اعلیٰ

نبیرۂ فخر بہار حضرت

محمد فرحان رضا قادری ازہری

صدر، یاد تاج الشریعہ فاونڈیشن

پیش کش:

خانقاہ رضویہ تیغیہ رسولیہ، مدھورا، کٹیہار، بہار

زیر اہتمام:

یاد تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

بیادگار

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، استاذ حضور تاج الشریعہ، معروف بہ حضور فخر بہار، حضرت علامہ **مفتی غلام رسول حشمتی** علیہ الرحمہ

ماہنامہ فخرِ بہار

علم و حکمت کا مجموعہ

پیش کش: خانقاہ رضویہ تیغیہ رسولیہ، مدھورا، کٹیہار بہار

سرپرستی: حکیم ملت علامہ محمد احسن رضا رضوی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ تیغیہ رسولیہ، مدھورا، کٹیہار، بہار

مدیر اعلیٰ: نبیرۂ فخر بہار محمد فرحان رضا قادری ازہری

معاون مدیر: شہزادۂ فخر بہار علامہ محمد مسعود رضا رضوی

مجلس مشاورت

- مفتی غلام غوث رضا مرکزی
- ڈاکٹر محمد محسن رضا رضوی
- مولانا محمد مجیب الرحمٰن
- مولانا محمد مبین رضا مرکزی
- حافظ محمد منور حسین
- ڈاکٹر محمد نجم الرضا رضوی
- مولانا محمد اجمل رضا مرکزی
- قاری فرقان رضا روحی
- حافظ نقی رضا مرکزی

فہرست مضامین

مسلم معاشرہ: بے حیائی و تہذیبی تاراجی کے مناظر لمحہ فکریہ

از: غلام مصطفیٰ رضوی، (نوری مشن مالیگاؤں)

اسلام دُشمن قوتوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی کلچر کا دلدادہ بنا دیا جائے۔ اسلامی ثقافت و کلچر کے مقابل مُردہ و شکستہ تہذیبوں کا تعارف تاریخی تحقیق کے نام پر ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف۔ یہی کچھ مصر میں ہوا۔ عراق و ایران میں ہوا۔ جہاں اس بات کا پرچار شدومد کے ساتھ کیا گیا کہ فراعنہ کی تہذیب بڑی مہذب تھی۔ فارسی تمدن عمدہ تھے۔ روم و کسریٰ کے کلچر قابلِ قدر تھے۔ ہند میں عریاں مشرکانہ کلچر کی تعریف میں زمین و آسمان ایک کیے گئے؛ گائے کے فضلات کھانے والوں نے اسلام دُشمنی کی حدیں پار کرلیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن تہذیبوں نے انسانیت سوز کام انجام دیے؛ جن کے یہاں ظلم و جور ہی غالب تھے؛ ان کے دیے اسلام نے بجھا دیے۔ مردہ تہذیبوں کے فروغ کی پشت پر اسلام دُشمنی کا عنصر کارفرما رہا ہے۔

بہر کیف المیہ یہ ہے کہ مسلمان مغربی معاشرہ جو انسانی اَقدار و حقوق کا گلہ گھونٹ کر اپنی ناکامی کا جنازہ نکال چکا ہے؛ سے ایسے مرعوب ہوئے کہ تباہی کے دہانے پر جا پہنچے۔ جس تمدن نے انسانی حقوق کا اعلیٰ تصور دیا؛ حقوقِ نسواں کی حفاظت کا رول ماڈل معاشرہ قائم کیا۔ اسی پاکیزہ اسلامی تمدن سے رُوگردانی نے مسلمانوں کو رُسوا کیا۔ اپنے عظیم ورثے سے دوری یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

فوٹو گرافی کی لعنت بھی مغربی کلچر سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ جس نے بے حیائی کے فروغ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس لعنت نے ایسا دامن پسارہ کہ شریف بچوں/بچیوں کی شادی میں بھی فوٹو گرافر بلوا کر حیا کے پردے تار تار کر دیے جاتے ہیں۔ فوٹو گرافر سجی سنوری دلہن کا ہر زاویے سے بے باکانہ فوٹو/ویڈیوز بناتا ہے۔ غیرتوں کے یہ جنازے والدین/بھائی/بہنوں کے رُوبرُو اور انھیں کی معاونت سے نکلتے ہیں۔ یہ وبا برائیوں سے محفوظ گھرانوں میں بھی گھستی چلی جا رہی ہے۔

باحیا گھرانوں کی یہ بے حیائی و بے غیرتی شادی کی یادگار کے نام پر رَوا رکھی جاتی ہے۔ جو غیرت و عزت پر کلنک ہی کہی جاسکتی ہے۔

رہی سہی کسر سوشل میڈیا نے پوری کر دی۔ ملٹی میڈیا موبائل جس کے مثبت استعمال سے تعلیمی و اصلاحی فتوحات حاصل کی جا سکتی تھیں؛ لیکن منفی استعمال نے تضییع اوقات، برائی، بے حیائی اور فحاشی کی وَبا عام کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احترام والدین و آدابِ معاشرت رُخصت ہو گئے۔ تہذیبی اقدار سے دوری روز بڑھ رہی ہے۔ پاکیزہ معاشرہ حیا سے عاری و آلودگی کا شکار بنتا چلا جا رہا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ:

1۔ اسلامی علوم سے نسلوں کو آراستہ کروایا جائے۔

2۔ اسلامی تہذیب کے دائرے میں زندگی گزاری جائے کہ ہماری تہذیب قابلِ افتخار ہے۔

3۔ شادی بیاہ رسم و رواج کو شریعت کے مطابق انجام دیے جائیں۔

4۔ شریعت پر عمل کیا جائے اور فضول اخراجات کے بوجھ کم کیے جائیں۔

5۔ رزق بھی پاکیزہ و حلال اختیار کیا جائے کہ بے حیائی حرام رزق سے جڑ پکڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صالح اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت وعشق کی لَو تیز کرنے کا جذبہ صالح عطا کرے۔ آمین۔

اعلیٰ حضرت نے بیداری کی فکر دی تھی جسے گرہ میں باندھنے کی ضرورت ہے:

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چُرا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گھٹری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تُجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دَم میں نہ آنا مَت کیسی متوالی ہے

فخرِ بہار سرکار مفتیِ اعظم کٹیہار اپنی حیات و خدمات کے آئینے میں

قسطِ اول

--------------از: نبیرۂ فخر بہار محمد فرحان رضا قادری ازہری (مدیر ماہنامہ فخر بہار)

گلستان ہند میں خطۂ بہار کو ہمیشہ یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس کی کوکھ سے علم و عرفان کے ایسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے جن کی ضیا پاشیوں نے نہ صرف ایک عہد کو منور کیا، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی شاہراہِ ہدایت کو تابناک بنا دیا۔ انہی قدسی صفات ہستیوں میں ایک نمایاں اور جلیل القدر نام حضور فخر بہار مفتیِ اعظم کٹیہار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کی شخصیت علمِ لدنی، زہدِ فطرتی اور فکری استقامت کا ایک حسین سنگم تھی۔

آپ کی حیات طیبہ کا ہر ورق اتباع سنت نبوی اور اخلاص عمل کی ایسی دستاویز ہے جس کی نظیر عہد حاضر میں ناپید ہے۔ آپ نے ایوان اقتدار کی مصلحتوں اور دنیاوی جاہ و حشم کو ٹھکرا کر حصار علم کی پاسبانی کو اپنا شعار بنایا اور "جامعہ روح العلوم" کے سادہ سے گوشہ عافیت میں بیٹھ کر وہ عظیم علمی و روحانی فتوحات حاصل کیں، جن کی گونج آج بھی آسمان علم کے ایوانوں میں سنائی دیتی ہے۔

درج ذیل نکات محض حروف کا مجموعہ نہیں بلکہ اس مرد قلندر کی کثیر الجہات زندگی کا وہ آئینہ ہیں، جس میں ہم ان کی خلوت نشینی، علمی عبقریت، اور ملت اسلامیہ کے لیے ان کی تڑپ کا واضح عکس دیکھ سکتے ہیں۔ یہ جملے اس بحرِ بے کراں کے وہ موتی ہیں جو آپ کی روحانی عظمت اور علمی جلالت کی گواہی دیتے ہیں۔

۱۔ جس نے زندگی بھر اپنے لئے شہنشاہِ مدینہ کی معصوم اداؤں کو اپنا شعار بنایا۔

۲۔ جن کو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اپنی زیارت سے مشرف فرمایا۔

۳۔ جو تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند اور جلالۃ المشائخ سرکارِ چاند پور فتح کے سچے جانشین اور خلیفہ تھے۔

۴۔ جنہیں فیضانِ رضا سے فخرِ ازہر حضور تاج الشریعہ قبلہ کا استاذِ گرامی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۵۔ جس نے اپنی حیات تائیدِ حق اور ابطالِ باطل کیلئے وقف کردیا۔

۶۔ جس نے تقریباً پچاس سال سے زائد دینِ حق اور مسلکِ اہلِ سنت کی بے لوث خدمتیں کی۔

۷۔ جس نے سعیِ پیہم سے ہزاروں علمائے اسلام اور مبلغینِ دینِ متین پیدا کر کے ملت کیلئے اہم کارنامہ انجام دیا۔

۸۔ جس نے خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار ہو کر سرکاری ملازمت کو خیر آباد کہا۔

۹۔ جس نے جامعہ روح العلوم کی جھونپڑی میں بیٹھ کر علم و عرفان کا دریا بہایا۔

۱۰۔ جس نے قوم و ملت کے الجھے مسائل کے زلفِ برہم کو سلجھایا اور جن کے فتوؤں کی زمانے میں دھوم مچی۔

۱۱۔ جو مستجاب الدعوات ایسے کہ ہزاروں گردشِ ایام کے ماروں کو دولتِ مسرت سے سرفراز کیا۔

۱۲۔ جن کا آستانہ کرم آج مرجعِ خلائق اور اہلِ عقیدت کیلئے بافیض دربار ہے۔

۱۳۔ جنہیں حضور سید اشرف الاولیاء اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم و عرفان کا دریا کہا۔

اے کریم رب! جس طرح حضور فخر بہار رحمۃ اللہ علیہ نے دنیاوی جاہ و حشم کو ٹھکرا کر تیری رضا اور تیرے دین کی خدمت کو مقدم رکھا، ہمیں بھی وہ جذبہ صادق عطا کر کہ ہم مسلک حق کی آبیاری اور علم دین کی ترویج و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد اولیں بنالیں۔ مولیٰ! ہمیں ان کے فیوض و برکات سے حصہ وافر عطا فرما اور بروز حشر ان جلیل القدر ہستیوں کے سائے میں ہمارا شمار فرما۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

نوٹ: "ان شاء اللہ عزوجل! حیاتِ فخرِ بہار (رحمۃ اللہ علیہ) کی دوسری قسط آپ آئندہ ماہ کے 'ماہنامہ' میں ملاحظہ فرماسکیں گے۔"

وندے ماترم کی جبری لازمیت!

از:(حافظ) افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور

ہندوستان اپنی تہذیبی گونا گونی، مذہبی تنوع، لسانی کثرت اور ثقافتی رنگارنگی کی وجہ سے دنیا بھر میں ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اس ملک کی سب سے بڑی طاقت اس کی یہی تکثیری روح رہی ہے کہ یہاں مختلف مذاہب، زبانوں، عقائد اور ثقافتوں کے ماننے والے صدیوں سے باہم زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ دستورِ ہند نے بھی اسی تنوع کو اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے ہر شہری کو مذہبی آزادی، عقیدے کی حفاظت اور اپنے مذہبی شعائر پر عمل کی مکمل ضمانت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کو ایک "سیکولر" جمہوریہ قرار دیا گیا جہاں ریاست کسی ایک مذہب، عقیدے یا تہذیبی فکر کی نمائندہ نہیں بلکہ تمام شہریوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ حالیہ برسوں میں ملک کے بعض حساس معاملات کو اس انداز سے پیش کیا جا رہا ہے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا ہے کہ کہیں ہندوستان کی سیکولر شناخت کو بتدریج اکثریتی مذہبی رنگ میں نہ ڈھال دیا جائے۔

مرکزی کابینہ کی جانب سے وندے ماترم کو قومی ترانے "جن گن من" کے مساوی درجہ دینے، اس کے تمام چھ بند لازمی قرار دینے اور تمام سرکاری و تعلیمی اداروں کے پروگراموں میں جن گن من سے قبل اسے پڑھنے کو ضروری بنانے کا اعلان اسی سلسلے کی ایک نہایت تشویشناک کڑی ہے۔ یہ فیصلہ ایک ثقافتی یا رسمی معاملہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں مذہبی، آئینی، سیاسی اور سماجی پیچیدگیاں پوشیدہ ہیں۔ اسی لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سمیت ملک کے مختلف طبقات نے اس پر سخت اعتراض ظاہر کیا ہے۔ کیا کسی جمہوری اور سیکولر ملک میں حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایک ایسے گیت کو تمام شہریوں پر لازمی قرار دے جس کے حصے مخصوص مذہبی عقائد اور دیوی دیوتاؤں کی مدح پر مشتمل ہوں؟ کیا دستورِ ہند کی روح اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کسی شہری کو اس کے مذہبی عقیدے کے خلاف

کسی نعرے، گیت یا رسم کا پابند بنایا جائے؟ اگر کوئی مسلمان، عیسائی، سکھ یا کسی اور مذہب کا فرد اپنے عقیدے کی بنیاد پر کسی مذہبی نوعیت کے الفاظ ادا کرنے سے گریز کرتا ہے تو کیا اسے ملک دشمنی یا عدمِ حب الوطنی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر سنجیدہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔

وندے ماترم بنیادی طور پر بنکم چندر چٹرجی کے ناول "آنند مٹھ" کا حصہ ہے۔ اس ناول کا پس منظر خود ایک خاص مذہبی اور سیاسی فضا سے جڑا ہوا ہے۔ اگرچہ آزادی کی تحریک میں اس گیت کو ایک جوشیلے قومی نعرے کے طور پر استعمال کیا گیا لیکن ابتدا ہی سے اس کے بعض حصوں پر اعتراضات بھی موجود رہے۔ خاص طور پر مسلمانوں نے اس کے ان بندوں پر شدید تحفظات ظاہر کیے جن میں درگا، لکشمی اور دیگر دیویوں کی مدح سرائی کی گئی ہے۔

اسلام چونکہ خالص توحید کا مذہب ہے اس لیے کسی بھی غیر اللہ کے سامنے تعظیمی اظہار یا عقیدت آمیز الفاظ مسلمانوں کے دینی شعور سے متصادم سمجھے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے کہ خود کانگریس نے ۱۹۳۷ میں رابندر ناتھ ٹیگور کے مشورے کے بعد یہ تسلیم کیا تھا کہ وندے ماترم کے بعد کے بند مذہبی نوعیت رکھتے ہیں اور تمام طبقات کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اسی بنیاد پر صرف ابتدائی دو بندوں کو محدود پیمانے پر قبول کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۰ میں کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی نے بھی اسی حساسیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ابتدائی دو بندوں کو قومی گیت کی حیثیت دی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملک کے بانیانِ دستور اس معاملے کی نزاکت کو بخوبی سمجھتے تھے اور وہ ہندوستان کو کسی مذہبی قوم پرستی کے راستے پر نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن آج اگر اچانک تمام چھ بندوں کو لازمی قرار دیا جاتا ہے تو یہ نہ صرف اس تاریخی اتفاقِ رائے سے انحراف ہے بلکہ ایک خطرناک نظیر بھی قائم کرتا ہے۔

یہ اقدام دراصل اس سوچ کو تقویت دیتا ہے کہ اکثریتی مذہبی علامات کو قومی شناخت کا لازمی حصہ بنایا جائے چاہے اس کے نتیجے میں اقلیتوں کے مذہبی جذبات مجروح ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ ایک مہذب جمہوری معاشرے کی بنیاد جبر پر نہیں بلکہ رضامندی، احترام اور آئینی مساوات پر قائم ہوتی ہے۔ حب الوطنی کا معیار کسی مخصوص نعرے یا گیت کو قرار دینا خود حب الوطنی کے مفہوم کو محدود کر دینا ہے۔ وطن سے محبت دل کا جذبہ ہے جس کا اظہار مختلف انداز میں ہو سکتا ہے۔ کوئی شہری اگر اپنے مذہبی عقیدے کی

بنیاد پر وندے ماترم کے بعض الفاظ ادا نہیں کرتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے وطن سے محبت نہیں کرتا۔ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک کی آزادی، تعمیر اور دفاع کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ ان کی حب الوطنی کو کسی ایک نعرے یا گیت کی بنیاد پر مشکوک قرار دینا نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ تاریخ سے بھی انحراف ہے۔

آج ملک کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کے بجائے اسے غداری اور دشمنی سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ جمہوریت کی اصل روح یہی ہے کہ ہر شہری کو اپنے ضمیر اور عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔ دستورِ ہند کا آرٹیکل ۲۵ ہر شہری کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وندے ماترم کے بعض بند اس کے عقیدہ توحید سے متصادم ہیں تو اسے ان بندوں کے پڑھنے پر مجبور کرنا صریحاً آئینی روح کے خلاف ہے۔

افسوس! کہ اس قسم کے فیصلے اکثر ایسے وقت میں سامنے آتے ہیں جب ملک کو اتحاد، معاشی استحکام، تعلیمی اصلاحات اور سماجی ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام کے حقیقی مسائل سے توجہ ہٹا کر مذہبی جذبات کو ابھارنے کی سیاست نہ صرف جمہوری ماحول کو آلودہ کرتی ہے بلکہ قوم کو ذہنی اور سماجی طور پر تقسیم بھی کرتی ہے۔

ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک میں حکومت کی ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ وہ تمام طبقات کے اعتماد کو برقرار رکھے نہ کہ ایسے فیصلے کرے جن سے اقلیتوں میں عدمِ تحفظ کا احساس پیدا ہو۔ ہندوستان کی اصل طاقت اس کی وحدت میں کثرت رہی ہے۔ اگر اس ملک کو واقعی مضبوط اور مستحکم بنانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مذہب، ہر طبقے اور ہر زبان کے ماننے والوں کو برابر کا شہری سمجھا جائے۔ اکثریت کی تہذیب کو قومی تہذیب اور اقلیتوں کے احساسات کو غیر اہم سمجھنے کا رویہ ملک کو کمزور کرے گا مضبوط نہیں۔

قومی یکجہتی زبردستی کے نعروں سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ انصاف، مساوات اور باہمی احترام سے پروان چڑھتی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا احتجاج اسی آئینی اور جمہوری حق کے دائرے میں ہے۔ بورڈ نے جو خدشات ظاہر کیے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ ہر اس شخص کے خدشات ہیں جو ہندوستان کی سیکولر شناخت، آئینی وقار اور مذہبی آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ اگر آج ایک مخصوص مذہبی علامت کو لازمی بنایا جائے گا تو کل

کسی اور عقیدے یا رسم کو بھی قومی شناخت کے نام پر مسلط کیا جا سکتا ہے اور یہی طرزِ فکر جمہوری معاشروں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ حکومت اس فیصلے پر سنجیدگی سے نظرِ ثانی کرے اور ایسے اقدامات سے اجتناب کرے جو ملک کے سماجی تانے بانے کو متاثر کرتے ہوں۔ ہندوستان کسی ایک مذہب یا ایک تہذیب کا نام نہیں بلکہ یہ مختلف عقائد، ثقافتوں اور روایات کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی بقا اسی میں ہے کہ یہاں ہر شہری کو بلا خوف و جبر اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل رہے۔ اگر مذہبی آزادی اور آئینی مساوات کمزور پڑ گئی تو پھر ہندوستان کی وہ عظیم جمہوری شناخت بھی خطرے میں پڑ جائے گی جس پر دنیا بھر کو فخر رہا ہے۔ آج نعروں کی نہیں بلکہ آئین کی روح کو زندہ رکھنے کی ہے۔ ضرورت اکثریت کی بالادستی ثابت کرنے کی نہیں بلکہ ہر شہری کے اعتماد کو بحال رکھنے کی ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان کو نفرت و جبر اور مذہبی تصادم کے راستے پر لے جانے کے بجائے اخوت و رواداری اور باہمی احترام کی راہ پر آگے بڑھایا جائے۔ یہی دستورِ ہند کا تقاضا ہے یہی جمہوریت کا حسن ہے اور یہی ہندوستان کی اصل شناخت بھی۔

(حافظ) افتخار احمد قادری
کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یوپی
iftikharahmadquadri@gmail.com

بول اُٹھا پتھر، رو پڑا درخت: عشقِ رسول ﷺ کی للکار

از: سید عارف علی رضوی، کلیان (سابق پرنسپل اینگلو اردو ہائی اسکول نیرل)

یہ کوئی روایتی داستان یا محض تاریخ کا خشک باب نہیں بلکہ یہ عشقِ صادق کی وہ آفاقی صدائے بازگشت ہے جس نے جمادات کو گویائی عطا کی، نباتات کو گریہ و زاری پر مجبور کیا اور حیوانات کو عدل کی دہائی کے لیے بارگاہِ نبوی ﷺ کا راستہ دکھایا۔

آج ضمیر کو جھنجھوڑ دینے والا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ جب بے جان اور بے زبان مخلوقات اپنے آقا ﷺ کی نسبت پر اس قدر بے قرار ہو سکتی ہیں تو ہم—جو شرفِ انسانیت اور اعزازِ اُمتی سے سرفراز ہیں—ہمارے قلوب کیوں سرد، جذبات کیوں خاموش اور اعمال کیوں بے اثر ہیں؟

کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے:

جبلِ اُحد: (محبت کا کوہِ گراں)

میدانِ اُحد کے اس منظر کا تصور کیجیے جہاں ایک عظیم الجثہ پہاڑ ایستادہ ہے۔ بظاہر اس کے سینے میں نہ دھڑکتا ہوا دل ہے نہ بولتی ہوئی زبان مگر سیدِ کائنات ﷺ اس کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

یہ محض ایک اطلاع نہیں بلکہ اہلِ عالم کے لیے ایک زوردار للکار ہے کہ اے انسان! اپنے دعوائے محبت کا جائزہ لے کہیں ایسا تو نہیں کہ تیرا عشق صرف زبان تک محدود اور عمل سے خالی ہے؟

ستونِ حنانہ: فراقِ مصطفی ﷺ کا نوحہ:

مسجدِ نبوی کا وہ لرزہ خیز لمحہ یاد کیجیے جب منبر کی جدائی میں ایک خشک لکڑی (ستونِ حنانہ) اس طرح دھاڑیں مار کر روئی کہ پوری مسجد سسکیوں سے گونج اٹھی۔ اس بے جان لکڑی کی تڑپ اس قدر شدید تھی کہ رحمتِ عالم ﷺ کو منبر سے اتر کر اسے اپنے سینۂ اقدس سے لگانا پڑا تب جاکر اسے قرار نصیب ہوا۔

یہ واقعہ پیغام دیتا ہے کہ جس دل میں عشقِ

رسول ﷺ کی رمق ہوگی وہ کبھی جدائی میں خاموش نہیں رہ سکتا؛ وہ تڑپے گا بھی اور خود کو بدلے گا بھی۔

کنکریوں کی تسبیح اور درختوں کی گواہی:

مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں آتے ہی بے جان کنکریاں زبانِ حال سے تسبیح پڑھنے لگیں۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے ایک دور دراز درخت کو بلایا تو وہ اپنی جڑوں سمیت زمین کو چیرتا ہوا حاضرِ بارگاہ ہوا اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔

یہ واقعات اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ نبوت کی پہچان صرف شعورِ انسانی تک محدود نہیں بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کے مقامِ رفیع سے واقف ہے۔

ہرن کی فریاد اور شترِ بے مہار کا سجدہ:

وہ ہرنی جسے شکاری نے قید کر رکھا تھا اس نے آقا ﷺ کو دیکھتے ہی اپنی زبان میں فریاد کی اور ضمانت چاہی تاکہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آسکے۔ اسی طرح وہ اونٹ جس پر اس کے مالک نے حد سے زیادہ بوجھ ڈال رکھا تھا دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر رو پڑا اور آپ ﷺ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔

"جب جانور اپنا دکھ لے کر اس دربار میں حاضر ہو سکتے ہیں تو ہم اپنے گناہوں اور تڑپتے ہوئے دلوں کے ساتھ کیوں حاضر نہیں ہوتے؟"

عشق: ایک عمل، ایک انقلاب:

یہ تمام واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ عشقِ رسول ﷺ محض ایک جذباتی نعرہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر انقلاب ہے جو انسان کی پوری زندگی کو بدل دیتا ہے۔ اگر ہم واقعی سچے محب ہیں تو اس کے آثار ہماری زندگی میں نمایاں ہونے چاہئیں:

- نماز میں خشوع و خضوع کی صورت میں۔
- زبان پر درود و سلام کی کثرت کی صورت میں۔
- کردار میں سنتِ نبوی ﷺ کی جھلک کی صورت میں۔
- دل میں مدینۂ منورہ کی تڑپ کی صورت میں۔

اعلیٰ حضرت: عشقِ رسول ﷺ کا جیتا جاگتا پیکر:

جب عشقِ رسول ﷺ کی عملی تفسیر کی بات آتی ہے تو تاریخِ اسلام میں امام احمد رضا خان

بریلوی علیہ الرحمہ کا نام ایک درخشاں مینار کی طرح سامنے آتا ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی عشقِ مصطفی ﷺ کے فروغ، ناموسِ رسالت کے تحفظ اور سنتِ نبوی ﷺ کی اشاعت میں وقف کر دی۔

آپ کا ہر فتویٰ، ہر تحریر اور ہر قدم اسی جذبۂ محبت سے سرشار تھا۔ درود و سلام کی کثرت، نعتیہ شاعری میں سوز و گداز، اور بارگاہِ رسالت ﷺ کے ادب کا وہ معیار کہ قلم اٹھاتے وقت بھی لرز جاتے- یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ عشق صرف دعویٰ نہیں بلکہ ایک مکمل طرزِ حیات ہے۔

آپ کا مشہور نعتیہ کلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" آج بھی عاشقانِ رسول کے دلوں کی دھڑکن ہے جو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ سچا عشق وہ ہے جو زبان سے نکل کر کردار میں ڈھل جائے۔

اگر آج ہم اپنے اندر وہی اخلاص، وہی ادب اور وہی سچی محبت پیدا کرلیں تو یقیناً ہماری زندگیاں بھی نورِ مصطفی ﷺ سے منور ہو سکتی ہیں۔

"یاد رکھیے! عشق وہ نہیں جو صرف محفلوں کی زینت بنے بلکہ عشق وہ ہے جو تنہائیوں میں بھی آنکھوں کو نم کر دے۔ عشق الفاظ کا لبادہ نہیں بلکہ وہ سانچہ ہے جس میں ڈھل کر انسان کا کردار اسوہ حسنہ کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔"

آج بھی گنبدِ خضریٰ کی فضائیں ہم سے سوال کر رہی ہیں:

"کہاں ہیں وہ سچے عاشق جن کے دل ہماری یاد میں دھڑکتے ہیں؟"

اٹھو! اپنے سوئے ہوئے نصیب کو جگاؤ اور اپنے اندر عشقِ مصطفی ﷺ کی وہ چنگاری روشن کرو جو تمہاری سیرت کو سنوار کر تمہیں سچا غلامِ رسول بنا دے۔

ورنہ یاد رکھنا اگر کل قیامت کے دن ان پتھروں، درختوں اور جانوروں نے تمہاری غفلت پر گواہی دے دی تو ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

عید الاضحیٰ اور روحِ قربانی

۔از: مفتی انیس الرحمٰن حنفی رضوی، (صدر المدرسین؛ جامعہ رضویہ زینت العلوم سرس کھیڑا ضلع مرادآباد یوپی)

انسانی تاریخ میں بعض ایام ایسے ہوتے ہیں جو محض تقویم کے صفحات پر ثبت تاریخیں نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے اندر ایمان کی حرارت، بندگی کی لذت، اطاعت کی کیفیت اور روحانیت کی ایسی خوشبو سموئے ہوتے ہیں جو صدیوں تک دلوں کو معطر کرتی رہتی ہے۔ یہ دن جب آتے ہیں تو صرف موسم نہیں بدلتے بلکہ انسانوں کے باطن بدل دیتے ہیں، دلوں کے اندر ایمان کی روشنی جگا دیتے ہیں، روحوں کو تازگی عطا کرتے ہیں اور بندے کو اس کے رب سے قریب تر کر دیتے ہیں۔

انہی مقدس اور روح پرور ایام میں ایک عظیم الشان دن "عید الاضحیٰ" بھی ہے، جو صرف ایک تہوار نہیں بلکہ عشقِ الٰہی، تسلیم و رضا، ایثار و وفا، اطاعت و فرماں برداری اور قربانی و جاں نثاری کی ایک لازوال داستان ہے۔ یہ وہ مقدس دن ہے جس کی بنیاد حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اطاعت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حیرت انگیز فرماں برداری پر قائم ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم اس روح پرور منظر کو یوں بیان کرتا ہے: ﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ یعنی "پھر جب دونوں نے ہمارے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا، تو ہم نے ندا فرمائی: اے ابراہیم! بے شک تم نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں"۔(سورۃ الصافات: ۱۰۳-۱۰۵)

یہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے بندگی، وفاداری اور عشقِ الٰہی کا ایسا عملی نمونہ ہے جس نے قربانی کو ایک عظیم عبادت اور شعیرۂ اسلام بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود جب ذی الحجہ کی مبارک ساعتیں قریب آتی ہیں تو پوری دنیا کے مسلمان تکبیر و تہلیل کی صداؤں کے ساتھ اس عظیم سنت کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی رضا کی خاطر قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہلِ ایمان کے لیے ایک عظیم نعمت اور روحانی تحفہ ہے۔ یہ عید اپنے دامن میں رحمتوں، برکتوں، سعادتوں اور مغفرتوں کی بے شمار بہاریں لے کر آتی ہے۔ یہ انسان کے اندر ایثار و قربانی، اخلاص و وفاداری، تقویٰ و پرہیزگاری اور محبت و اخوت جیسے عظیم جذبات پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اسے محض خوشی کا دن قرار نہیں دیا بلکہ اسے شعائرِ اسلام میں شمار فرمایا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ یعنی ”اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر فرمائی تاکہ وہ ان چوپایہ جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں عطا فرمائے ہیں“۔
(سورۃ الحج:۳۴)

اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ قربانی صرف امتِ محمدیہ ہی کا عمل نہیں بلکہ یہ انبیا علیہم السلام کی مقدس سنت اور ہر آسمانی شریعت کا حصہ رہی ہے۔ البتہ اسلام نے اسے جس جامعیت، روحانیت اور خلوص کے ساتھ پیش کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ لفظ ”قربانی“ عربی کے لفظ ”قرب“ سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہیں ”قریب ہونا“۔ گویا قربانی دراصل بندے کے اپنے رب سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کا اصل مقصد محض جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اپنے نفس کی خواہشات، اپنی انا، اپنی خود پسندی اور اپنی دنیاوی محبتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دینا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی قربانیوں سے عبارت تھی۔ کبھی وطن چھوڑنا پڑا، کبھی آگ میں ڈالا گیا، کبھی بیوی اور شیر خوار بچے کو بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑنے کا حکم ملا اور کبھی اپنے جگر گوشے کو قربان کرنے کا امتحان پیش آیا، لیکن ہر مرحلے پر آپ کی زندگی توحید و بندگی کا عملی نمونہ بنی رہی۔ اسی حقیقت کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی ”تم فرماؤ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے“۔(سورۃ الانعام:۱۶۲)

یہی کامل بندگی ہے، یہی اسلام ہے اور یہی عیدالاضحیٰ کا حقیقی پیغام ہے۔ قربانی کی اصل روح تقویٰ، اخلاص اور رضائے الٰہی ہے۔ اگر ان چیزوں سے قربانی خالی ہوجائے تو وہ صرف ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے

قربانی کے فلسفے کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا: ﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ یعنی ”ہرگز نہ اللہ کو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے“۔(سورۃ الحج:۳۷)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ ”تفسیر روح البیان“ میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ قربانی کے خون کو کعبہ کی دیواروں پر لگاتے اور گوشت کے ٹکڑے وہاں رکھ دیتے تھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اس کے یہاں ظاہری خون اور گوشت کی نہیں بلکہ دلوں کے تقویٰ اور اخلاص کی قدر ہے۔

اسی حقیقت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیثِ مبارکہ میں یوں بیان فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلٰى أَجْسَادِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» یعنی ”بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے“۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم)

گویا قربانی کا حسن جانور کی ظاہری جسامت سے زیادہ قربانی کرنے والے کے باطن کے اخلاص میں ہے۔ اگر نیت خالص ہو، دل میں تقویٰ ہو اور رضائے الٰہی مطلوب ہو تو ایک معمولی قربانی بھی بارگاہِ خداوندی میں عظیم بن جاتی ہے، لیکن اگر اس میں ریاکاری، نمود و نمائش اور شہرت کی طلب شامل ہو جائے تو بڑے سے بڑا جانور بھی بے وقعت ہو جاتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں قربانی کی بے شمار فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ» یعنی ”قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا سب سے محبوب عمل خون بہانا ہے“۔(سنن ترمذی، کتاب الاضاحی)

ایک اور حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَإِنَّهَا سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ» یعنی ”یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے“۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! اس میں ہمارے لیے کیا اجر ہے؟“ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ» یعنی ”ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے“۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

یہ فضائل اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ

قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب عبادت ہے، بشرطیکہ اس میں اخلاص، تقویٰ اور حسنِ نیت شامل ہو۔ عیدالاضحیٰ کا ایک اہم پہلو سماجی مساوات اور انسانی ہمدردی بھی ہے۔ اسلام نے قربانی کو صرف انفرادی عبادت نہیں رکھا بلکہ اسے اجتماعی فلاح اور معاشرتی تعاون کا ذریعہ بھی بنایا۔ اسی لیے فقہا نے لکھا کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے: ایک حصہ اپنے لیے، دوسرا رشتہ داروں اور احباب کے لیے، اور تیسرا غربا و مساکین کے لیے، تاکہ معاشرے کا کوئی محتاج فرد اس خوشی سے محروم نہ رہ جائے۔

افسوس کہ آج ہمارے معاشرے میں قربانی کی روح کم اور نمائش زیادہ نظر آتی ہے۔ لوگ مہنگے جانوروں کی تشہیر میں لگے رہتے ہیں، لیکن آس پاس موجود یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ حالاں کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غریبوں کو اپنی خوشیوں میں شریک کیا جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» یعنی ”بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے“۔

(صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الأہل)

یہی وجہ ہے کہ عیدالاضحیٰ ہمیں صرف جانور ذبح کرنا نہیں سکھاتی بلکہ دلوں کو جوڑنا، غریبوں کے آنسو پونچھنا، محتاجوں کے چہروں پر مسکراہٹ لانا اور معاشرے کے محروم طبقات کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنا بھی سکھاتی ہے۔

عیدالاضحیٰ اتحاد و اتفاق، محبت و اخوت اور بھائی چارے کا بھی درس دیتی ہے۔ آج امتِ مسلمہ اختلافات، تعصبات، نفرتوں اور انتشار کا شکار ہے۔ قربانی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اپنے دلوں سے کینہ، حسد، بغض اور عداوت کو نکال باہر کریں۔ اگر انسان نے جانور تو ذبح کر دیا لیکن اپنے نفس کی سرکشی کو ذبح نہ کر سکا، اپنی انا کو قربان نہ کر سکا، اپنی زبان کو غیبت و بہتان سے نہ روک سکا تو اس نے قربانی کی اصل روح کو نہیں پایا۔

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ چند برسوں سے عیدالاضحیٰ کے موقع پر بعض شرپسند عناصر مسلمانوں کے خلاف نفرت اور فساد کی فضا ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو انتہائی حکمت، صبر اور دانش مندی کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل کرنا چاہیے۔ قانون کی پاس داری، امن و امان کا خیال اور ماحول کو خراب

ہونے سے بچانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسلام فساد اور اشتعال انگیزی کا دین نہیں بلکہ امن، حکمت اور حسنِ اخلاق کا مذہب ہے۔

عیدالاضحیٰ کا اصل پیغام یہی ہے کہ انسان اپنے رب سے اپنا تعلق مضبوط کرے، اپنی خواہشات کو خدا کی رضا پر قربان کرے، سنتِ ابراہیمی کو اپنی زندگی میں نافذ کرے، غریبوں اور محتاجوں کا سہارا بنے، اتحاد و اخوت کو فروغ دے اور اپنے اندر تقویٰ، اخلاص اور بندگی کی حقیقی روح پیدا کرے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قربانی کو صرف ایک موسمی رسم نہ بنائیں بلکہ اس کے حقیقی پیغام کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ اگر ہماری قربانی ہمیں عاجزی، صبر، اخلاص، وفاداری، ایثار، انسانیت اور تقویٰ کا درس نہ دے سکے تو ہمیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ قربانی کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کا سچا، مخلص اور وفادار بندہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عیدالاضحیٰ کی حقیقی روح کو سمجھنے، سنتِ ابراہیمی پر کامل اخلاص کے ساتھ عمل کرنے، تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ قربانی ادا کرنے اور اس عظیم عبادت کے نور سے اپنی زندگیوں کو منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆

سستی شہرت سیلفی بازی اور ہماری ذمہ داریاں

۔۔۔۔۔۔۔از: محمد انیس القادری رضوی غوثی، (خادم: مدرسہ اہل سنت فیضانِ تاج الشریعہ، جھارکھنڈ)

موجودہ دور جہاں ٹیکنالوجی کی برق رفتاری سے عبارت ہے، وہیں یہ اپنے ساتھ کئی اخلاقی و نفسیاتی امراض بھی لے کر آیا ہے۔ ان میں سب سے مہلک بیماری "نمائش پسندی" ہے۔ خاص طور پر وہ طبقہ جس کے کندھوں پر قوم کی اخلاقی اور روحانی قیادت کی ذمہ داری ہے، اگر وہی اس سستی شہرت کا شکار ہو جائے تو معاشرے کی سمت کا تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی حوالے سے چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

اخلاص کی روح اور نمائش کا زہر:

اے سیلفی اور ویڈیو کے شوقین حضرات! کاش تم اس حقیقت کو جان لیتے کہ عمل کی قبولیت کا دارومدار "اخلاص" پر ہے اور اخلاص کی روح خاموشی و گمنامی میں پنپتی ہے۔ افسوس کہ آج ہم نے اپنے ہر نیک عمل، یہاں تک کہ نجی لمحات کو بھی کیمرے کی قید میں لانا لازم سمجھ لیا ہے۔ یاد رکھیں، جو عمل کیمرے کے لیے کیا جائے، وہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت کیسے پا سکتا ہے؟

ڈیجیٹل دور کے فتنے اور ندامت:

جب کوئی تصویر یا ویڈیو وائرل ہو کر وبالِ جان بنتی ہے، تو سوائے لایعنی تاویلات کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ کاش! ہم تصویر لینے سے پہلے اس کے انجام پر غور کر لیں۔ آج فیک اکاؤنٹس اور تصویروں کے غلط استعمال نے جن فتنوں کو جنم دیا ہے، ان سے بچنے کا واحد راستہ "احتیاط اور پردہ پوشی" ہے۔ آپ کی ایک لمحے کی بے احتیاطی آپ کے برسوں کے علمی وقار کو خاک میں ملا سکتی ہے۔

مقاماتِ مقدسہ کا تقدس اور ہماری بے حسی

تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ اب کوئی جگہ اس شوقِ نمائش سے محفوظ نہیں رہی۔

ہوٹلوں میں دسترخوان کی تشہیر۔

سفر کی ہر ہر منزل کی لایعنی نمائش۔

حتیٰ کہ میلاد و نعت کی وہ پاکیزہ محفلیں جہاں توجہ ذکرِ الٰہی پر ہونی چاہیے تھی، وہاں اب مرکزِ نگاہ کیمرے کا لینز بن چکا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جس دل کو ذکرِ خدا سے منور ہونا تھا، وہ اب سیلفی اور ویڈیو بازی کی فکر میں مگن ہے!

شہرت کی ہوس اور وقار کی پامالی:

یاد رکھیے! یہ سوشل میڈیا کا وہ بے رحم سمندر ہے جہاں عزتیں پل بھر میں ڈبو دی جاتی ہیں۔ اگر آپ کو اپنا علمی و دینی وقار عزیز ہے، تو اس سستی شہرت کی ہوس سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ وقار نجی زندگی کو "عوامی" بنانے میں نہیں، بلکہ اپنی شخصیت میں ٹھہراؤ، تقویٰ اور سنجیدگی پیدا کرنے میں ہے۔

توبہ اور اصلاحِ نفس:

اگر دل کے کسی گوشے میں ابھی آخرت کی جوابدہی کا احساس باقی ہے، تو اس لایعنی نمائش سے سچے دل سے تائب ہو جائیے۔ اپنی عزت اور اعمال کی حفاظت کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم دکھاوے کی مصنوعی دنیا سے نکل کر حقیقت کی زندگی میں واپس آئیں۔

یاد رہے عزت توبہ اور تقویٰ میں پوشیدہ ہے، نہ کہ کیمرے کے سامنے مصنوعی مسکراہٹ اور نمائش میں۔

اللہ پاک ہمیں اس فتنۂ نمائش سے بچنے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

قربانی: اطاعت یا اعتراض؟ ایک فکری مکالمہ

-------------از: مولانا شاکر رضا مدنی، مالیگاؤں، مدرس، جامعۃ المدینہ دعوتِ اسلامی

شہزاد قدرے جذباتی انداز میں بولا، یار شاکر! ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، ہم کیسے لوگ ہیں؟ جن جانوروں کو اللہ نے زندگی دی، ہم ہی ان کی جان لے لیتے ہیں، کیا یہ ظلم نہیں؟ میری تو رائے ہے کہ قربانی پر خرچ ہونے والی رقم اگر کسی غریب کو دے دی جائے تو زیادہ فائدہ ہوگا، بلکہ شاید زیادہ ثواب بھی ملے۔

شاکر پُرسکون اور سنجیدہ لہجے میں بولا، بھائی شہزاد! بات سننے اور سمجھنے کی ہے۔ اسلامی احکام کو صرف اپنی محدود عقل سے پرکھنا درست نہیں۔ ایک مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ قربانی کوئی عام رسم نہیں، بلکہ یہ سنتِ ابراہیمی اور عظیم عبادت ہے۔

شہزاد نے کہا، لیکن غریبوں کی مدد بھی تو بہت بڑی نیکی ہے نا؟

شاکر نے جواب دیا، بالکل! اسلام نے تو اس کی بہت تاکید کی ہے، مگر ذرا یہ بھی سوچو، کیا ہم اپنی غیر ضروری خواہشات، فضول خرچیوں اور تفریحات کو چھوڑ کر اپنا سارا مال غریبوں پر خرچ کرنے کو تیار ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر صرف قربانی ہی کو کیوں نشانہ بنایا جائے؟

شہزاد کچھ نرم پڑتے ہوئے بولا، ہاں، یہ بات تو ہے، مگر پھر بھی جانور کو ذبح کرنا دل کو کھٹکتا ہے۔

شاکر نے کہا، دیکھو پیارے بھائی! قربانی کا مقصد صرف گوشت حاصل کرنا نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے اپنی محبوب چیز کو اس کی راہ میں پیش کرنا ہے، اور ساتھ ہی یہ معاشرتی خوشی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ غریبوں کے گھروں میں بھی گوشت پہنچتا ہے، خوشی آتی ہے۔ مزید برآں، قربانی کے موقع پر جانوروں کی خرید و فروخت سے معیشت کو بھی تقویت ملتی ہے، جس سے کئی طبقات مستفید ہوتے ہیں۔ بکرا منڈی وغیرہ میں بہت سارے غریب چارہ پانی وغیرہ لا کر بیچتے ہیں، جس سے ان کے گھر کے اخراجات بآسانی پورے ہوتے ہیں، اور ہاں، لوگوں کی غربت کا علاج پیسے بانٹنا نہیں

بلکہ معاشی لحاظ سے انہیں مضبوط کرنا ہوتا ہے، جو کہ قربانی سے پورا ہوتا ہے۔

شہزاد نے کہا، یہ پہلو تو میں نے اس طرح نہیں سوچا تھا۔

شاکر نے مزید کہا، سنو، جانوروں کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ جانور جو طاقت، قوت اور فطری شعور رکھتے ہیں اور اپنی غذا خود حاصل کر لیتے ہیں، نیز اپنی حفاظت بھی خود کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، کتے، بلیاں وغیرہ۔ یہ جانور اپنی بقا میں انسانوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ جانور جو نہ طاقت رکھتے ہیں اور نہ ایسا شعور کہ خود اپنا رزق حاصل کر سکیں، بلکہ وہ انسانوں پر منحصر ہوتے ہیں، جیسے بکری، گائے، بھینس وغیرہ۔ یہ اپنی خوراک اور حفاظت دونوں میں انسان کے محتاج ہوتے ہیں۔

اور انسان عمومی طور پر مفاد کو مد نظر رکھ کر کام کرتا ہے۔ وہ ہر عمل میں اپنا فائدہ دیکھتا ہے، اگر فائدہ ہو تو کام کرتا ہے اور اگر فائدہ نہ ہو تو ترک کر دیتا ہے، چاہے وہ کاروبار ہو، خرید و فروخت، فلاحی کام یا حتیٰ کہ بعض عبادات۔ ہر کام میں کسی نہ کسی درجے میں غرض اور فائدہ پایا جاتا ہے۔ اگر کسی کام میں کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ عبث، یعنی فضول شمار ہوتا ہے، اور ایک عاقل انسان جان بوجھ کر عبث کام نہیں کرتا۔

اور شہزاد بھائی! آپ غور کریں کہ شریعت میں عمومی طور پر ان جانوروں کے ذبح کی اجازت دی گئی ہے جو خود اپنا رزق حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں، بلکہ وہ انسان پر منحصر ہوتے ہیں۔ تو اب اگر ان جانوروں کے ذبح کی اجازت نہ ہو تو انسان ان کو پالنے میں دلچسپی نہیں لے گا، کیونکہ انسان کسی نہ کسی فائدے کے تحت ہی محنت کرتا ہے۔ نتیجتاً ان جانوروں کی پرورش کم ہو جائے گی اور بالآخر ان کی نسل ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

شہزاد نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا، اچھا بتاؤ، ان جانوروں کو پالنے کے بنیادی فوائد کیا ہیں؟

شاکر نے جواب دیا، دیکھیں! ان جانوروں سے تین بڑے فوائد وابستہ ہیں، حمل و نقل، دودھ اور گوشت، مگر آج کے دور میں جدید ذرائع آنے کی وجہ سے حمل و نقل کا فائدہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اب ان جانوروں کی اہمیت زیادہ تر دودھ اور گوشت تک محدود رہ گئی ہے۔ صرف دودھ کی بنیاد پر ان کی پرورش ہر شخص کے لیے ممکن نہیں، کیوں کہ اس میں لاگت زیادہ اور فائدہ نسبتاً کم ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ نر جانور اور وہ مادہ جانور جو دودھ دینے کے قابل نہیں رہتے، ان کی پرورش مزید مشکل ہوجاتی ہے۔

اب اگران جانوروں کے ذبح اور استعمال کی اجازت نہ ہوتوانسان ان کی پرورش میں دلچسپی ہی نہ لے گااوران کی نسل ختم ہونے لگے گی۔

شہزاد نے کہا، کوئی مثال دے سکتے ہو؟

شاکر نے کہا، ہاں! گدھے اور خچر کو دیکھ لو، پہلے یہ بہت کارآمد تھے، مگر آج ان کی افادیت کم ہوگئی توان کی تعداد بھی کم ہوگئی۔ اسی طرح بعض جگہوں پر جہاں گائے کے ذبح پر پابندی ہے، وہاں یہ جانور سڑکوں پر لاوارث گھومتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں اور تکلیف دہ حالت میں مرجاتے ہیں۔

شہزاد نے اطمینان کے ساتھ کہا، واقعی، یہ پہلو تو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا، جزاک اللہ خیراً بھائی! آج میری بہت بڑی غلط فہمی دور ہوگئی۔ اب میں قربانی کو صرف ایک رسم نہیں بلکہ ایک عظیم عبادت کے طور پر دیکھوں گا۔

مولاناشاکررضامدنی (مالیگاؤں)
مدرس، جامعۃ المدینہ دعوتِ اسلامی
١٩، ذوالقعدہ، ١٤٤٧ھ
٠٧، مئی، ٢٠٢٦ء

ترکِ رفعِ یدین:

دلائلِ حدیث، آثارِ صحابہ اور فہمِ فقہاءِ امت کی روشنی میں

حصہ اوّل

--------- تحریر: سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی- ہائی پوائنٹ، نارتھ کیرولائنا (امریکہ)

تمہید:

نماز دینِ اسلام کا عظیم ترین عملی شعار ہے، اور اس کے افعال واذکار میں جو کچھ مشروع ہے وہ سب نبی اکرم ﷺ کی تعلیم، عمل اور ارشاد ہی سے ثابت ہے۔ امتِ مسلمہ میں بعض جزوی اور فروعی مسائل ایسے ہیں جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بظاہر مختلف روایات منقول ہوئی ہیں۔ ان مسائل میں اہلِ علم کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ باہمی نزاع، طعن وتشنیع اور تفسیق وتضلیل کے بجائے دلائلِ شرعیہ، آثارِ صحابہ، عملِ تابعین اور اصولِ فقہ و حدیث کی روشنی میں راجح موقف کو اختیار کیا جائے، اور دوسرے قول کو بھی دائرۂ سنت واجتہاد سے خارج نہ کیا جائے، جب تک وہ کسی معتبر اصل سے مستند ہو۔

انہی اختلافی مگر معروف مسائل میں ایک مسئلہ رفعِ یدین بھی ہے۔ یہاں اصل نزاع یہ نہیں کہ نماز کے آغاز میں ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں، کیونکہ تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفعِ یدین پر پوری امت کا عمل ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ نماز کے دوران رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہیں۔ فقہائے احناف کے نزدیک راجح اور معمول بہ یہی ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین نہ کیا جائے، اور اس موقف پر احادیث، آثار اور تعاملِ صحابہ سے مضبوط استدلال موجود ہے۔

یہاں ایک نہایت اہم بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جن مسائل میں متعدّد صورتیں روایات سے ثابت ہوں، ان میں تعصب، بدزبانی، فتنہ

انگیزی اور دوسرے مسلمانوں کو مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مگر افسوس کہ بعض حلقوں نے اس مسئلے کو ایسا نعرہ بنا لیا ہے کہ گویا دین کا مدار ہی اسی پر ہے، حالاں کہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہ مسئلہ فروعی ہے، نہ کہ اصولی؛ اور نہ ہی اس کے اختلاف سے نماز کے بطلان کا حکم لازم آتا ہے۔

زیرِ نظر سطور میں ہم ترکِ رفعِ یدین کے دلائل کو علمی، حدیثی اور اصولی انداز میں پیش کریں گے، تاکہ قارئین انصاف، دیانت اور سکونِ قلب کے ساتھ اس مسئلے کا جائزہ لے سکیں۔

مسئلہ کی اصل نوعیت

رفعِ یدین کے باب میں روایات دو طرح کی ملتی ہیں:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نماز میں متعدّد مواقع پر ہاتھ اٹھائے۔

بعض دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف شروعِ نماز میں ہاتھ اٹھائے، پھر باقی نماز میں نہ اٹھائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں طرح کی روایات میں تطبیق یا ترجیح کیسے دی جائے؟

اہلِ علم نے اس باب میں ایک معروف اصول بیان فرمایا ہے کہ جب ایک مسئلے میں متعدّد روایات ہوں تو دیکھا جائے گا:

ناسخ اور منسوخ کا تعلق کس روایت سے ہے؟

آخری عمل کس پر ثابت ہے؟

اکابر صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کا تعامل کس پر رہا؟

فقہاءِ صحابہ اور تابعین نے کس کو اختیار فرمایا؟

اسی اصول کی روشنی میں احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کسی وقت رفعِ یدین متعدّد مقامات پر ثابت بھی ہو، تب بھی آخری اور معمول بہ عمل یہی قرار پاتا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد رفعِ یدین ترک فرمایا گیا۔ اس پر صحابۂ کرام کے آثار، حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی تصریح، حضرت عمر و حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کا عمل، اور متعدّد ائمہ کے فہم سے استدلال کیا جاتا ہے۔

آخری عمل کی معرفت اور صحابۂ کرام کا تعامل

شریعت کے بہت سے احکام میں تدریج پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر:

ابتدائے اسلام میں قبلہ بیت المقدس تھا، پھر کعبۂ معظمہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نازل ہوا۔

آغاز میں نماز کے اندر کلام کی گنجائش تھی،

پھر آیتِ کریمہ "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" کے بعد نماز میں خاموشی اور خشوع کا حکم غالب ہوا۔

اسی طرح رفعِ یدین کے مسئلے میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ بعد کے زمانے میں حضور ﷺ کا عمل اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ و تعامل کیا تھا۔

اس باب میں سب سے نمایاں نام حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے، جو رسولِ اکرم ﷺ کے نہایت مقرب صحابی، سفر و حضر کے رفیق، اور طریقِ نماز کے بڑے فقیہ راوی ہیں۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے باقاعدہ یہ فرمایا کہ:

کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟

پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے، اس کے بعد نہیں اٹھائے۔

حدیث: عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ۔

(سنن الترمذي، ابواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع، رقم: ٢٥٧، سنن النسائي، رقم: ١٠٢٦، سنن أبي داود، رقم: ٧٤٨)

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے سوا ہاتھ نہ اٹھائے۔

یہ روایت فقہائے احناف کے نزدیک نہایت قوی بنیاد رکھتی ہے، کیونکہ یہاں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ محض ایک خبر نقل نہیں کر رہے بلکہ عملاً رسول اللہ ﷺ کی نماز کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی خصوصیت:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عام راوی نہ تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے خاص قرب رکھنے والوں میں تھے۔ ان کے بارے میں اہلِ سیر و حدیث نے لکھا ہے کہ:

وہ بارگاہِ نبوت میں کثرت سے حاضر رہتے،

طریقِ نماز، افعالِ عبادت اور باطنی و ظاہری آداب سے خوب واقف تھے،

دیگر صحابۂ کرام بھی ان سے مسائل پوچھتے اور فتویٰ لیتے تھے۔

اسی وجہ سے فقہائے احناف نے رفعِ یدین کے مسئلے میں ان کی روایت اور ان کے عملی بیان کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت

ترکِ رفعِ یدین پر ایک اہم روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے:

حدیث: عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ حَتَّى رَأَيْتُ إِبْهَامَيْهِ قَرِيبًا مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا۔ (مسند أبي يعلى، ۳/۲۱۰، سنن أبي داود، رقم: ۷۵۰)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع فرمائی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ میں نے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے قریب دیکھا، پھر اس کے بعد آپ نے دوبارہ ہاتھ نہ اٹھائے۔

یہ روایت صراحت کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ کے بعد رفعِ یدین کے ترک پر دلالت کرتی ہے۔

حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ:

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

حدیث: عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ؟ اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، رقم: ۴۳۰)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ یوں اٹھاتے ہو جیسے سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں؟ نماز میں سکون اختیار کرو۔

فقہائے احناف اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز کے اندر بار بار ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا گیا، اور "اسکنوا في الصلاة" کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نماز میں وقار، سکون اور غیر ضروری حرکات سے اجتناب مطلوب ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل:

صحابۂ کرام کے تعامل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

روایت: عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ، ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

(شرح معاني الآثار، رقم: ۱۳۲۹)

ترجمہ: حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ

پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نہایت وزن رکھتا ہے، کیونکہ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اور ان کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سنت کی پیروی کی ترغیب دی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ترکِ رفعِ یدین منقول ہے:

روایت: عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

(مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ۲۴۴۴)

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے، پھر دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔

یہ اثر بھی نہایت اہم ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف خلیفۂ راشد ہیں بلکہ فقہ، قضا اور عبادات کے باب میں بلند ترین مقام رکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز:

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدیث: عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

(السنن الكبرى للبيهقي، ۴۹۶/۳، دار قطني، ۲۹۵/۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، تو ان حضرات نے صرف نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھائے۔

اس روایت سے احناف یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو عظیم ترین خلفاء کا عمل بھی اسی طریقے پر تھا، اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ ایک مضبوط عملی تواتر کی علامت ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی طرف اشارہ:

بعض روایات میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے رفعِ یدین نقل ہوا، لیکن فقہائے احناف نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ ان سے خود ترکِ رفعِ یدین کا عمل بھی منقول ہے۔ اس بنا پر یہ کہا گیا کہ محض روایت ہی نہیں بلکہ صحابی کا اپنا عملی رجحان بھی دیکھا جائے گا، تاکہ یہ سمجھا جا

سکے کہ اس نے کس کو زیادہ پختہ، متأخر یا معمول بہ سمجھا۔

امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

فقہِ کوفہ اور مسلکِ ابنِ مسعود کے اکابر میں سے حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی گئی، جس میں رفعِ یدین مذکور ہے، تو انہوں نے فرمایا:

روایت: إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ۔ (شرح معاني الآثار، ۱۵/۳۷)

ترجمہ: اگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ ایسا کرتے دیکھا ہے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو پچاس مرتبہ ایسا نہ کرتے دیکھا ہے۔

اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ جو صحابی زیادہ صحبت، زیادہ قرب، زیادہ مشاہدہ اور زیادہ دوام رکھتا ہو، اس کی روایت اور فہم ترجیح کے وقت زیادہ مضبوط قرار پاتی ہے۔

ایک اہم نکتہ: تکبیرات اور رفعِ یدین میں فرق

بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں ہر جھکنے اور اٹھنے پر تکبیر کہا کرتے تھے، اور انہوں نے فرمایا کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے۔

یہاں نہایت ضروری ہے کہ تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا دو الگ مسائل ہیں۔ احناف بھی رکوع، سجدہ، قیام اور قعدہ کی مناسبت سے مشروع تکبیرات کے قائل ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفعِ یدین بھی کیا جائے۔ لہٰذا تکبیرات والی روایات کو رفعِ یدین کے اثبات پر پیش کرنا درست استدلال نہیں، الا یہ کہ اس میں صاف طور پر ہاتھ اٹھانے کا ذکر موجود ہو۔

اصولی خلاصہ:

اب تک جو دلائل سامنے آئے، ان سے فقہائے احناف یہ موقف قائم کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں رفعِ یدین دونوں طرح منقول ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عملی روایت ترکِ رفعِ یدین پر نہایت قوی دلیل ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی کے موافق ہے۔

حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ میں نماز میں

سکون کا حکم بھی اس موقف کو تقویت دیتا ہے۔

تکبیرات کے اثبات سے رفعِ یدین کا اثبات لازم نہیں آتا۔

لہٰذا تکبیرِ تحریمہ کے بعد رفعِ یدین نہ کرنا ایک مضبوط، مستند اور فقہی طور پر معتبر سنتی طریقہ ہے۔

افراط و تفریط سے اجتناب:

یہاں یہ بات پھر یاد رکھنی چاہیے کہ یہ مسئلہ اجتہادی اور فروعی ہے۔ اس میں:

کسی مسلمان کی نماز کو باطل کہنا،

ائمۂ مجتہدین پر زبان درازی کرنا،

صحابہ و ائمہ کے فہم کو حقیر سمجھنا،

یا اس مسئلے کو فتنہ و تفرقہ کا ذریعہ بنا لینا

ہرگز درست نہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو موقف اختیار فرمایا، وہ ہوا میں نہیں بلکہ صحابۂ کرام، تابعین اور محدثین کے آثار و فہم کی بنیاد پر اختیار فرمایا۔ اسی طرح دیگر ائمہ، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، نے بھی اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق دلائل سے استنباط کیا۔

لہٰذا اہلِ حق کا شیوہ یہ ہے کہ اپنے مسلک کو دلائل سے بیان کریں، مگر ادب و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

اختتامیہ:

ترکِ رفعِ یدین کا مسئلہ محض تقلیدی جذبات کا پیدا کردہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے احادیثِ مرفوعہ، آثارِ صحابہ، تعاملِ خلفائے راشدین اور فقہاءِ امت کا ایک مضبوط علمی پس منظر موجود ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عملی بیان، حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کا عمل، حدیثِ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، اور دیگر آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد رفعِ یدین نہ کرنا ایک مستند، معتبر اور قابلِ اعتماد سنتی طریقہ ہے۔

پس جو شخص احناف کے اس موقف پر عمل کرتا ہے، وہ کسی بے اصل یا بے دلیل بات پر نہیں بلکہ آثارِ نبوت اور فہمِ سلف کے ایک مضبوط سلسلے پر اعتماد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق سمجھ کر قبول کرنے، اور اختلافی مسائل میں ادب، انصاف، حلم اور وسعتِ ظرف عطا فرمائے۔ آمین۔

سچائی کی فضیلت

از: فقیر محمد اجمل رضا مرکزی

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کو اعلیٰ اخلاق اور بہترین کردار اپنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ ان اعلیٰ اخلاق میں سب سے نمایاں صفت سچائی ہے۔ سچائی نہ صرف ایک اخلاقی خوبی ہے بلکہ یہ انسان کی پہچان اور اس کے ایمان کی علامت بھی ہے۔ ایک سچا انسان معاشرے میں عزت و احترام حاصل کرتا ہے، جبکہ جھوٹ بولنے والا اپنی ساکھ کھو دیتا ہے۔

سچائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر حال میں حق بات کہے، چاہے وہ اس کے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ سچ بولنا بعض اوقات مشکل ضرور ہوتا ہے، لیکن اس کے نتائج ہمیشہ اچھے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جھوٹ وقتی فائدہ تو دے سکتا ہے، مگر آخر کار انسان کو نقصان ہی پہنچاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے والوں کو پسند فرمایا ہے اور انہیں نیک لوگوں میں شمار کیا ہے۔ سچائی انسان کے دل کو پاک رکھتی ہے اور اسے برائیوں سے دور کرتی ہے۔ جو شخص سچ بولتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی سچائی کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

"سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سچائی انسان کو جنت کے راستے پر لے جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام بلند کرتی ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"۔ (بخاری)

یہ حدیث ہمیں جھوٹ کے انجام سے

خبردار کرتی ہے اور ہمیں سچائی اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے۔

سچائی انسان کی شخصیت کو مضبوط بناتی ہے۔ ایک سچا انسان بے خوف ہوتا ہے، کیونکہ اسے کسی بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جھوٹا انسان ہمیشہ خوف اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کا جھوٹ کہیں پکڑا نہ جائے۔

معاشرے میں امن وسکون قائم رکھنے کے لیے بھی سچائی بہت ضروری ہے۔ اگر لوگ ایک دوسرے سے سچ بولیں تو اعتماد قائم ہوتا ہے اور رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ کاروبار میں سچائی اپنانے سے برکت آتی ہے اور لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں۔

آج کے دور میں افسوس کی بات ہے کہ جھوٹ عام ہو گیا ہے۔ لوگ معمولی فائدے کے لیے بھی جھوٹ بول لیتے ہیں، جو کہ ایک بری عادت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس عادت سے بچیں اور ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کریں، چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو سچ بولنے کی تربیت دیں۔ اگر بچپن سے ہی بچوں میں سچائی کی عادت ڈال دی جائے تو وہ بڑے ہو کر اچھے اور ایماندار انسان بن سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے گھروں اور معاشرے میں سچائی کو فروغ دینا چاہیے۔

آخر میں یہی کہونگا کہ سچائی ایک عظیم صفت ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی دلاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں، جھوٹ سے بچیں اور اپنی زندگی کو سچائی کے اصولوں پر گزاریں۔ یہی راستہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت تک لے جا سکتا ہے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

-------------------از: حقیر محمد ثناء اللہ طفیلی فیضی (جھیلا اعظم نگر کٹیہار بہار)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف رشتوں کے خوبصورت بندھن میں پرویا ہے۔ کہیں اسے باپ کی شفقت دی، کہیں ماں کی ممتا؛ کہیں بھائی کا سہارا، تو کہیں بہن کی محبت؛ کوئی چاچا ہے، کوئی دادا، کوئی نانا، اور کوئی دادی۔ لیکن ان تمام رشتوں میں سب سے زیادہ عظمت، سب سے زیادہ قرب سب سے زیادہ حق جس ہستی کو حاصل ہے، وہ والدین ہیں۔

اسلام نے والدین کے حقوق کو نہایت بلند مقام عطا کیا ہے۔ قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا"

اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک کرنا محض اخلاقی تقاضا نہیں بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس کے لیے انجام نہایت ہی بھیانک ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قرآن و حدیث میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

جو لوگ والین کو گالیاں دیتے ہیں، ان پر آواز بلند کرتے ہیں، ان کے ساتھ بدزبانی کرتے ہیں، انہیں گھر سے نکال دیتے ہیں، ان کی خدمت سے جی چراتے ہیں، وہ در حقیقت اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ ایسے گناہ کبیرہ کے مرتکب افراد کے لیے قرآن و حدیث میں دردناک عذاب کی وعید موجود ہے۔

والدین سے بات کرنے کا اسلامی آداب کیا ہے؟

والدین سے گفتگو کرتے وقت نرم لہجہ اپنایا جائے، آواز پست رکھی جائے، اُن کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کی جائے، اور ان کے حکم کو حتی الوسع بجالایا جائے، سوائے اس کے کہ وہ کسی بات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں۔

بالخصوص جب والدین بوڑھے ہو جائیں، تو ان کی خدمت کرنا، ان کی ضروریات کا خیال

رکھنا، ان کے آرام و عزت کا لحاظ رکھنا، اللہ کے نزدیک عظیم عبادت اور عظیم نیکی ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

"رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ" **ترجمہ:** اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور اللہ کا غضب والد کے غضب میں ہے۔(ترمذی، حدیث:۱۸۹۹)

لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ والدین کے ساتھ ادب و محبت سے پیش آئیں، ان کی خدمت کو اپنا شرف سمجھیں، اور ہر لمحہ ان کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ والدین کی دعائیں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

شراب و دیگر منشیات اور مسلمانوں کا مستقبل

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔از: محمد تحسین رضا نوری، شیر پور کلاں پورن پور پیلی بھیت

فیشن کے نام پر ہو رہی حرام کاریاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں، جو کام زمانۂ قدیم میں لوگ سخت گناہ تصور کرتے تھے آج وہ سارے اعمال فخریہ طور پر بنسبت دستورِ زمانہ سرانجام دیے جاتے ہیں۔ نوجوان نسلیں شراب، بیئر اور الکحل پینے کی عادی ہو چکی ہیں۔

ورزش کرنے والے نوجوان بغرض حفظانِ صحت اس وبا کے شوقین ہو چکے ہیں۔ بری سنگت اور دین و شریعت سے دوری کی بنا پر انہیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کارہائے حرام میں مبتلا ہونے کی باعث گناہوں کے دلدل میں پھنس چکے ہیں، یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن تنظیمیں مکمل سازشوں کے ساتھ مسلم نوجوانوں کو اپنا شکار بنا رہی ہیں۔ جدت پسندی نے انہیں اس قدر اُن کے دین اور اللہ و رسول سے دور کر دیا کہ اب وہ سمجھانے پر بھی ماننے کو تیار نہیں۔ اگر انھیں ان اخبث ترین کاموں سے روکا جاتا ہے تو بے جا تاویلیں اور لایعنی بحث کرنے لگتے ہیں۔ بری صحبت کے اثر نے انہیں اُن کے ہدف سے بہت دور لا کھڑا کیا۔ وہ قرآنی تعلیمات اور اپنے حبیب ﷺ کے فرامین کو فراموش کر چکے ہیں۔

شراب کی مذمت قرآن کریم سے:

اللہ جل شانہ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: "یسئلونك عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعِهما". **ترجمہ:** تم سے شراب اور جوئیں کا حکم پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۹)

ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: "یایها الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشّیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون، انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر الله وعن الصلوۃ۔ فهل انتم منتهون"

ترجمہ: اے ایمان والو شراب اور جوا اور بُت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ، شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بَیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰/۹۱)

ایک اور مقام پر ربِّ کریم ارشاد فرماتا ہے: "یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکری" ترجمہ: اے ایمان والو! نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو۔

مذکورہ جملہ آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شراب والکحل کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ فیشن و رواج کے طور پر پینے والے ذرا توجہ دیں کہ کیا مغربی تہذیب و ثقافت اس قدر ضروری تھی کہ قرآنی تعلیمات کی پاسداری نہ کر سکے۔ دین کو یہود و نصاریٰ کی لغویات و خرافات کی وجہ سے پس پشت ڈال دیا۔

شراب کی مذمت احادیث کی روشنی میں:

آیات قرآنیہ کے ساتھ ساتھ لاتعداد احادیث میں بھی شراب و نشہ آور اشیاء کی حرمت و مذمت آئی ہے، اور اس کے عادی پر عذابِ الیم کی وعیدیں وارد ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھیں گے، ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو بندر اور سؤر بنا دے گا"۔ (ابن ماجہ)

مذکورہ حدیث کو بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر کچھ اور رکھیں گے۔ اب ذرہ توجہ دیں وہ لوگ جو شراب کو بیئر، الکحل، وائن، ویسکی اور رم کا نام دیتے ہیں اور بے جا تاویلیں کرتے ہیں کہ یہ شراب نہیں ہے، کیا وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ ان تمام میں شراب کی آمیزش نہیں ہے؟ کیا ان سب سے نشہ نہیں ہوتا؟ یاد رکھیں! یہ جملہ اشیاء شراب کی آمیزش سے ہی وجود میں آتی ہیں اور نشا آور بنتی ہیں، اس لیے ان کا بھی وہی حکم ہے جو شراب کا ہے۔

ایک اور حدیث ہے، حضرت وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے

متعلق دریافت کیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں منع فرمایا۔ توانہوں نے عرض کی کہ: میں تو صرف دوا کے طور پر ہی شراب بناتا ہوں تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: یہ دوا نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑی بیماری ہے۔ (ترمذی شریف)

اب ذرا وہ نوجوان توجہ دیں جو حفظانِ صحت اور باڈی بنانے کی غرض سے بطور دوا بیئر، شراب یا الکحل لیتے ہیں، حضور علیہ السلام نے بطور دوا پینے سے بھی منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ یہ دوا نہیں بلکہ ایک بہت بڑی بیماری ہے۔

ایک اور حدیث ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، جوا، شطرنج اور باجرے کی شراب سے منع فرمایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہر نشا آور چیز حرام ہے۔"

شراب کی عادت اور چھٹکارہ:

قارئین کرام! یاد رکھیں! یہ ایک ایسی بیماری ہے جسے جملہ اعمالِ قبیحہ و شنیعہ کی جڑ کہنا درست ہوگا، کیوں کہ یہی ایک ایسی بلا ہے جس سے لڑائی جھگڑا، دنگا و فساد، ظلم و جبر، زنا و حرام کاری، قتل و غارتگری، جھوٹ و دغابازی، اہلِ خانہ کے مابین نااتفاقیہ پیدا کرتی ہے، غرض کے ہر گناہ کی جڑ یہی شراب ہے۔ اس کے عادی ہونے کی سب سے بڑی وجہ غلط صحبت کا اثر ہے، اس کے بعد عیاش و نفس پرست افراد کی شادی پارٹی میں شریک ہوکر ان لوگوں کی دیکھا دیکھی میں یہ بھی شراب کے عادی بن جاتے ہیں۔ لہٰذا یاد رکھیں! اس کے پینے والے دنیا میں بھی لوگوں کے مابین ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور بروز قیامت بھی عذاب الیم کے حقدار ہوں گے۔

اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کریں اور دوبارہ شراب کو ہاتھ نہ لگانے کا عزمِ مصمم کریں۔ ایسی مجلسوں اور پارٹیوں میں جانا بند کر دیں جہاں شراب نوشی کو عام سمجھا جاتا ہو۔ وقتاً فوقتاً شراب کی حرمت اور اس کے گناہ کے متعلق سوچتا رہے تاکہ تصور میں بھی دوبارہ شراب پینے کا ارادہ نہ کریں۔

دعا ہے کہ مولائے کریم ہمیں اس مہلک بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسلمانوں کی دو اہم ذمہ داریاں

از: فقیر غلام نبی قادری پورنوی غفرلہ

محترم قارئینِ کرام! اللہ رب العزت نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے انبیا و رسل کو بھیجا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کم و بیش ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے انبیائے کرام تشریف لائے اور راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتے رہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ سرکارِ اعظم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی خاتم الانبیاء و المرسلین بن کر تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے انبیا و رسل کی بعثت کے سلسلے کو مکمل فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول عالمِ انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث نہ ہوگا اور انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داریاں امتِ مسلمہ کو سونپی گئیں۔

قرآنِ کریم نے اس فرضِ کفایہ کی تفویض کا اعلان اس طرح فرمایا ہے کہ: "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (آل عمران ۳، ۱۰۴)

ترجمہ: تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

قارئینِ کرام! اللہ رب العزت نے اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں پر دو اہم دینی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔

(۱)- خیر کی دعوت دینا،

(۲)- نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

یہاں خیر سے مراد دینِ اسلام ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو نظامِ عقائد و اعمال اور ضابطۂ اخلاق اپنے محبوبِ مکرم سرکارِ اعظم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمتِ مسلمہ کو عطا فرمایا ہے، اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو اس نظامِ رحمت کی دعوت دینا خیر کی طرف بلانا ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے خیر کی دعوت دینے اور

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عہدِ صحابۂ کرام سے لے کر آج تک ہر دور میں دینِ اسلام کے محافظ، سنیت کے نگہبان، حق کی دعوت دینے والے، معروف کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے نیک اور صالح افراد پائے جاتے رہے ہیں، جنہوں نے غیروں میں دینِ اسلام کی تبلیغ اور اسلامی سوسائٹی کے بگاڑ اور فساد کو روکنے اور بھلائی کا راستہ دکھانے کا اہم فریضہ انجام دیا۔

دینِ اسلام کی صداقت کے چراغ روشن کیے، معاشرہ کو فسق و فجور، ظلم و عدوان کے جراثیم سے پاک کر کے صلاح و تقویٰ، عدل و احسان پر مبنی سماج کی تشکیل فرمائی۔

ان مردانِ حق کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک عمل اور ان کے اخلاق و کردار کا ہر ہر پہلو بجائے خود دینِ اسلام کی صداقت کا داعی تھا، ان کے فکر و عمل کا پر کشش آئینہ دیکھ کر لوگ متوجہ ہوتے اور دینِ اسلام کی ابدی سعادت کو اپنے سینہ سے لگاتے۔

کسی نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے:

ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں
محی الدین جیلانی معین الدین اجمیری

تعمیرِ شخصیت اور مدارس کا نصاب:

اساتذہ کا کردار اور ذمہ داریاں

۔۔۔۔۔۔۔از: محمد صادق الاسلام، اتر دیناج پور مغربی بنگال، متعلم: دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی (یوپی)

بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ اس کی ادائی کی پوری فکر ہونی چاہیے۔ ورنہ سخت گرفت کا اندیشہ ہے۔ اس ذمہ داری میں والدین اور اساتذہ کے ساتھ اگر چہ پوری ملت، معاشرہ اور مملکت بھی شریک ہیں، لیکن براہِ راست ذمہ داری والدین اور اساتذہ کرام پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے انہیں کو اس ضمن میں سب سے زیادہ فکر مند بھی ہونا چاہیے۔ خصوصاً آج کے حالات میں تو اس طرف غیر معمولی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ معمولی سی غفلت نہایت خطرناک نتائج سے دوچار کر سکتی ہے۔

تعلیم کا صحیح مقصد:

" اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے۔ "

یعنی طلبہ کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالنا اور انہیں ذہنی، جسمانی، علمی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس لائق بنانا کہ وہ اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں، کائنات میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف کریں، نیز انفرادی، عائلی اور اجتماعی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں ان کے خالق و مالک کی طرف سے عائد ہوتی ہیں، ان سے وہ کما حقہ، عہدہ برآ ہو سکیں۔

دین اسلام اور عصری علوم و فنون:

قال الله تعالىٰ فی القرآن الحکیم :

"رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوا عَلَيۡهِمۡ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالۡحِكۡمَةَ أَنۡتَ الۡعَزِيزُ الۡحَكِيمُ" (سورۂ بقرہ، آیت : ۱۲۹)

ترجمہ: اے رب ہمارے! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے۔ بے

شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ (کنزالایمان)

یہ خلیل کبریا شیخ الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، یعنی مبعوث فرمودہ رسول علیہ السلام بندوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں گے۔

کلام الٰہی میں "کتاب" سے مراد قرآن مقدس ہے اور حکمت کے مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ حضور اقدس عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عالم کو دین و شریعت اور معرفت الٰہیہ کی تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت، تجارت و معیشت، تاریخ و جغرافیہ، اخلاق و کردار فن حرب و ضرب، سیاسیات و سماجیات اور بے شمار علوم وفنون کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ کتب احادیث میں ان علوم وفنون سے متعلق احادیث مبارکہ موجود ہیں۔

اسلام وہ مذہب ہے جس کے پیغمبر علیہ السلام کے پاس رب تعالیٰ کی جانب سے پہلی وحی تعلیم و تعلم سے متعلق آئی اور اس پیغام اول میں قلم و کتابت کا ذکر ہوا۔

وحی اول: (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ : خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ : اقْرَأْ وَرَبُّكَ الَّذِي أَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)(سورۂ اقرا، آیت : ۱-۵)

ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو، اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ (کنزالایمان)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مبعوث فرمایا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُوْلًا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ ايته وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ مِنْ كَانُوْا مِنْ لَبَيْنَ۔

(سورۂ جمعہ: آیت:۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (کنزالایمان)

ایسا مذہب جس میں پیغام اول تعلیم و تعلم سے متعلق ہو، وہ مذہب فائدہ بخش علوم وفنون کی تعلیم و تربیت سے کیوں کر منع کر سکتا ہے۔

ہاں، جو علوم وفنون دنیا یا آخرت کے لیے مصر ہوں، ان کی ممانعت ضرور ہوگی۔ فقہ وفتاوی

کی کتابوں میں تفاصیل موجود ہیں۔

(مدارس اسلامیہ،نصاب ونظام،ص:۹)

مسلم بچوں کی تعلیم اور ہمارے دو مقاصد:

ہمارے دو مقاصد ہیں:

مقصد اول یہ کہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو عصری علوم سے آراستہ کیا جائے۔ مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں چار، پانچ ضروری اسکولی مضامین مثالا

ا۔۔ انگلش

۲۔۔ حساب

۳۔۔ سائنس

۴۔۔ سوشل سائنس

(شامل کیے جائیں۔ اسی طرح جغرافیہ، ہسٹری، ہندی ودیگر ضروری مضامین شامل کیے جائیں۔)

ادارہ کی جانب سے طلبہ کے لیے میٹرک (Matriculation)کے امتحان کا نظم کیا جائے، تاکہ مدارس اسلامیہ کے فارغین مساجد و مدارس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی تبلیغ دین و سنیت کی خدمت سرانجام دے سکیں۔ انہیں مختلف شعبہ جات میں معاش کے مواقع فراہم ہوں اور ان شعبہ جات سے منسلک افراد تک آسانی کے ساتھ دین وسنیت کا پیغام پہنچایا جاسکے، اور اہل سنت و جماعت سے متعلق پھیلنے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔

ہمارا دوسرا مقصد یہ ہے:

کہ اسکول و کالج کے نصاب تعلیم میں بقدر ضرورت اسلامی، مضامین داخل کیے جائیں، تاکہ طلبہ اپنے ایمان و عمل کی حفاظت و صیانت کر سکیں۔

تعلیم اسلامیہ کے لیے چند باتیں:

1۔جب مدارس کے اندر اساتذہ کی ضرورت ہو تو اس وقت ان کی صلاحیتوں کو جانچا جائے، اور باصلاحیت محنتی، اور تجربہ کار اساتذہ کا انتخاب کیا جائے اپنے یا مدرسے کے دیگر مفاد کے لیے اساتذہ نہ رکھے جائیں۔

2۔نئے اساتذہ کی پہلے تربیت کریں یا پھر ان کو تدریب المعلمین کورس کرائیں یا پھر جو درس دینے کی کتب دی جائے ان کو ان کی تربیت دی جائے۔

3۔ اساتذہ جن کتابوں میں دلچسپی لے رہے ہوں وہی کتب ان کو دی جائیں اور ان کو آگے بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

4۔ اساتذہ کو تدریس کے لیے وہی کتب دینی

چاہیے جیسے وہ کامل مطالعہ کے بعد آسانی کے ساتھ پڑھاسکیں، کیوں کہ فنی اور بڑی کتابوں کے مطالعے کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ اس لیے اساتذہ کو چاہیے اساتذہ کو غیر تعلیمی ذمہ داریاں نہ دیں۔

5۔ ہر ماہ میں ایک بار اساتذہ کے ساتھ تعلیمی معاشرہ اور تعلیمی جائزہ لیتے رہیں۔ ہر وقت طلبہ کی کارکردگی دیکھی جائے اگر طلبہ اعلی نمبرات سے پاس ہو رہے ہیں تو انعام کے ذریعے ان کے ساتھ حوصلہ افزائی کی جائے، اور طلبہ کسی کتاب میں ادنی یا ناکام ہوتے ہیں۔

6۔ ہر وقت طلبہ کی کارکردگی دیکھی جائے اگر طلبہ اعلی نمبرات سے پاس ہو رہے ہیں تو انعام کے ذریعے ان کے ساتھ حوصلہ افزائی کی جائے اور طلبہ کسی کتاب میں ادنی یا ناکام ہوتے ہیں تو ان کو سمجھائیں اور اگلے سال نہ پڑھانے کی تنبیہ کریں۔

7۔ امتحانات کے وقت ہر ایک ساتھ اچھائی کا معاملہ کریں پیپر کے متعلق ان کو آگاہی دیتے رہیں کسی طرح اور کیسے ہو گا انصاف کے ساتھ امتحان لیا جائے تاکہ طلبہ بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔

8۔ طلبہ کو تکرار کرنے پر ابھارا جائے مطالعہ اور حفظ اسباق کے لیے مکمل وقت دیا جائے ان کو زبردستی کوئی کام نہ کروائے جائیں۔

9۔ مدارس اسلامیہ کے اندر ایک کتب خانہ بنوائیں اور اس کے اندر ہر جماعت کو موقع دیا جائے، ہر دن کم سے کم ایک گھنٹہ کتب خانہ میں پڑھنا لازمی قرار دیا جائے۔

10۔ مدارس اسلامیہ کا نصاب بناتے وقت ہر دن طلبہ کو کتب کا درس دیا جائے تاکہ آسانی کے ساتھ کتب سمجھ سکیں یا پھر یاد کرکے آگے مطالعہ کر سکیں جو کہ ہر طلبہ کے لیے ممکن ہو۔

11۔ درس نظامی کا مقصد استعداد سازی کے ہیں۔ جن کتابوں کو پڑھنا اور پڑھانا ضروری ہے ان کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ طلبہ جو فن پڑھیں اس میں ماہر ہو جائیں۔

12۔ اگر طالب علم فنی یا اہم کتب میں ناکام ہو گیا ہے تو اگلی جماعتوں میں نام نہ ڈالیں۔ حتی کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ رزلٹ کے بعد جب تک پڑھائی شروع نہیں ہوتی ہے۔ ان کو تیاری کرنے کے لیے وقت دیا جائے۔

نوٹ: اور بھی بہت ساری باتوں کا خیال رکھنا بے حد لازمی ہے۔

☆☆☆☆

اساتذہ کی ذمہ دریاں:

1۔ اساتذہ کو چاہیے کہ ہر طالب علم کے مزاج و دماغ کو سمجھ لیں اور پھر اس طرح سے سبق دیں کہ ہر طالب علم آسانی سمجھ اور یاد کر سکے۔ اور کام دیتے وقت ہمیشہ یہ یاد رکھیں! کہ ان کے ذمے دیگر اسباق بھی ہیں۔

2۔ طلبہ کی تعلیمی لیاقت کو دیکھتے ہوئے ان کو اسباق سمجھائے جائیں۔ مشکل کتاب پر زور دینا چاہیے خارجی غیر متعلقہ ابحاث سے پرہیز کرنا چاہیے۔

3۔ اسباق کو تقریری شکل میں طلبہ کو سمجھانا چاہیے تاکہ ان کو مشکل اسباق سمجھنے میں آسانیاں پیدا ہوں۔

4۔ بہت سے اساتذہ طلبہ کو شروع میں کتاب کے متعلق حقائق و دقائق بتانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کتاب کے آخری مراحل کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ یا پھر سرسری طور پر سمجھا دیتے ہیں۔ ایسے طریقوں سے پرہیز کیا جائے۔ کیوں کہ اس وجہ سے طلبہ فن کے ضروری موادیات مبادیات سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔

یا اللہ عزوجل: ہمارے مدارس اور تعلیمی نظام میں خیر و برکت پیدا فرما، اور انہیں ایسا مرکز بنا دے جہاں سے دین و ملت کی سچی خدمت انجام پائے۔ ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو صالح بننے اور علومِ نافع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین یارب العالمین۔

حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ اور حسنِ اخلاق کی تکمیل

۔۔۔۔۔از: محمد مصیب الرحمٰن قادری، (اتر دیناج پور، بنگال)، متعلم: دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی-بستی، یوپی

اخلاق کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں۔ انسان کی قدر و منزلت اس کے حسب و نسب سے نہیں بلکہ اس کے اخلاق سے پہچانی جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام کو جہاں توحید و رسالت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا، وہیں اخلاقِ حسنہ کی عملی تعلیم بھی ان کے ذریعے دنیا کو دی۔ تمام انبیا میں سب سے بلند مرتبہ، اعلیٰ سیرت اور کامل ترین اخلاق والے نبی، سیدالانبیاء، رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ ہیں۔

حسنِ اخلاق کی تکمیل کا مطلب:

اخلاقِ حسنہ کو کمال تک پہنچانا، یا اچھے اخلاق کو مکمل اور اعلیٰ درجے پر لے جانا۔

حسنِ اخلاق کا معنیٰ:

اچھے، نرم، مہذب، خوش اخلاق، نرم گفتار، اور شرافت والے آداب و اطوار۔

☆☆☆☆

تکمیل:

کسی چیز کو مکمل کرنا، اسے عروج تک پہنچانا۔

لہٰذا جب کہا جائے "حسنِ اخلاق کی تکمیل"، تو اس سے مراد ہوتا ہے ایسا کردار اور برتاؤ اختیار کرنا جو تمام اچھے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہو، اور جس میں ہر پہلو سے حسن کا کمال ہو — جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا اخلاق تھا۔

حدیثِ مبارکہ:

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ"

یعنی میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ (مسند احمد، موطا امام مالک)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد، انسانوں کو اخلاقِ حسنہ کی بلند ترین مثال سکھانا تھا۔

حسنِ اخلاق کیا ہے؟

ایک شخص نے، حسنِ اخلاق کے پیکر محبوب

ربِ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنِ اخلاق کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ" اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو، بھلائی کا حکم دو، اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔"

(سورۃ الاعراف)

پھر ارشاد فرمایا:

"حسنِ خلق یہ ہے کہ قطع تعلق کرنے والے سے صلہ رحمی کرو، جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔"

(احیاء العلوم)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا، خوب بھلائی کرنا، اور کسی کو تکلیف نہ دینا — یہی حسنِ اخلاق ہے۔ (سنن الترمذی)

"ہو اخلاق اچھا، ہو کردار ستھرا
مجھے متقی تو بنا یا الٰہی"

قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا ذکر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ"

ترجمہ: اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم اخلاق پر ہیں۔ (سورۃ القلم)

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی، حلم، صبر، بردباری، تہذیب، اور ادب ایسی صفات تھیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کے تمام عقل مند و مہذب انسان بھی، مل کر ان جیسا نمونہ پیش نہ کر سکیں۔

دیگر اقوال و روایات:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاق کے درجات مکمل کرنے اور اعمال کے کمال کے لیے بھیجا ہے۔

(شرح السنہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت سعد بن ہشام نے پوچھا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟"

فرمایا: "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟"

عرض کیا: "جی ہاں"!

تو فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔" (صحیح مسلم)

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام محاسنِ اخلاق کے جامع تھے: علم، عفو، رحم و کرم، عدل و انصاف،

جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، شجاعت، حسنِ معاملہ، قناعت، خوش روئی، سادگی، تواضع، حیا غرض کہ ہر خلقِ عظیم میں آپ ﷺ فائزوسرفراز تھے۔"

آج کے دور میں اسوۂ حسنہ کی ضرورت:

آج دنیا میں اخلاقی انحطاط، جھوٹ، فریب، بدتمیزی، عداوت، بے صبری عام ہو چکی ہے۔ ایسے میں نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ روشنی کا مینار ہے۔ حسنِ اخلاق کی تکمیل محض الفاظ سے نہیں بلکہ عملی پیروی سے ممکن ہے - اور آپ ﷺ کی سیرت اسی کا روشن نمونہ ہے۔

اخلاقِ نبوت قرآن کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو تمام مخلوق میں افضل، اعلیٰ اور کامل قرار دیا۔ آپ ﷺ کے اوصاف میں سے ایک عظیم وصف "خلقِ عظیم "بھی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بِتَمَامِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ، وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْأَفْعَالِ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاق کی تکمیل اور اعمال کے حسن کے لیے بھجا ہے۔ (مجمع الزوائد)

صحابۂ کرام کی گواہیاں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: "كان خلقه القرآن" آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

"میں نے دس۱۰ سال آپ ﷺ کی خدمت کی، نہ آپ نے کبھی 'اُف' کہا، نہ یہ فرمایا: یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

"آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سچے، نرم دل اور خوش اخلاق تھے (شمائل ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ: "آپ ﷺ کے پاس جب بھی کچھ مانگا گیا، اور وہ چیز موجود ہوتی، تو آپ نے کبھی انکار نہ فرمایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

"جو بھی شخص آپ ﷺ کو دیکھتا، وہ آپ سے محبت کیے بغیر نہ رہ سکتا۔"

حضور اکرم ﷺ کی سیرت، اخلاقِ حسنہ کا کامل نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسانیت کو رحم، عدل، صدق، دیانت اور برداشت کا عملی درس دیا۔ آج کی دنیا میں اگر ہم امن، محبت اور فلاح چاہتے ہیں، تو ہمیں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کو اپنانا ہوگا۔ یہی راہِ فلاح ہے، یہی راہِ کامیابی۔

تعارف: کتاب نصاب علم تخریج حدیث

مصنف کتاب: مولانا عمران رضا عطاری مدنی
اسلامک اسکالر المدینۃ العلمیہ احمد آباد

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تبصرہ نگار: علامہ راشد علی عطاری مدنی، بانی: ہادی ریسرچ انسٹیٹیوٹ انٹرنیشنل

"حدیثِ نبوی" شریعت اسلامیہ کا دوسرا بنیادی مآخذ ہے، اور قرآن کریم کے بعد دین کی تفہیم و تشریح کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات، افعال اور تقریرات کو محفوظ رکھنا اور ان کی صحت کی تحقیق کرنا امت مسلمہ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے لے کر آج تک محدثین کرام نے احادیث کی حفاظت، تدوین اور تحقیق میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخ انسانی میں بے مثال ہیں۔ علم تخریج حدیث اسی عظیم علمی روایت کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔

تخریج کا مطلب محض کسی حدیث کا حوالہ تلاش کر لینا نہیں، بلکہ یہ ایک جامع علمی عمل ہے جس میں حدیث کو اس کے اصل مصادر تک پہنچانا، اس کی مختلف روایات کو جمع کرنا، اس کی اسناد کا تجزیہ کرنا، اور اس کی صحت و ضعف کے بارے میں محدثین کے اقوال کو یکجا کرنا شامل ہے۔ یہ فن علمِ حدیث کی بنیاد ہے، اور اس کے بغیر کوئی محقق، مفتی، مفسر یا فقیہ احادیث سے صحیح استدلال نہیں کر سکتا۔

آج کے دور میں جب معلومات کی فراوانی ہے اور ہر طرف احادیث کے حوالے ملتے ہیں، لیکن ان کی صحت کی جانچ پڑتال کی صلاحیت عام مسلمانوں میں کم ہوتی جا رہی ہے، ایسے میں علم تخریج حدیث کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ سوشل میڈیا، واٹس ایپ، اور مختلف ویب سائٹس پر بے شمار احادیث گردش کر رہی ہیں جن میں سے بہت سی موضوع، ضعیف یا بے اصل ہوتی ہیں۔ ایسے ماحول میں تخریج حدیث کا علم رکھنے والا شخص ہی حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے اور امت کو گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب "نصاب علم تخریجِ حدیث"

اس اہم فن کی تعلیم کے لیے ایک انتہائی قیمتی اور جامع کاوش ہے۔ جس کے مؤلف "مولانا عمران رضا عطاری مدنی" ہیں۔ موصوف "المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی، انڈیا)" میں تحریری خدمات میں مصروف اور "مجلسِ تحریر و لائبریری" کے ہند سطح کے ذمہ دار ہیں۔

مؤلف محترم نے اس کتاب میں تخریج حدیث کے اہم پہلوؤں کو نہایت منظم اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب عملی تربیت کا بہترین نصاب ہے۔ یہ کتاب طالب علم کو قدم بہ قدم اس فن میں مہارت حاصل کرنے کی رہنمائی فراہم کرتی ہے، فقیر راقم الحروف کتاب کی گوناگوں خصوصیات کو ذیل میں چند جملوں میں بیان کرنے کی سعی کرتا ہے:

ا۔ کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کی منظم ترتیب اور جامعیت ہے۔ مؤلف نے سب سے پہلے تخریج کے بنیادی معانی اور مراحل کو واضح کیا ہے، پھر اس کے بارہ فوائد بیان کیے ہیں جو طالب علم کو اس فن کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہیں۔ تخریج حدیث کی تاریخی روایت کو اجاگر کرتے ہوئے اولین کتب اور اصول تخریج پر لکھی گئی اہم تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، جو طالب علم کو اس فن کی تاریخی گہرائی اور وسعت کا اندازہ دیتا ہے۔

۲۔ مصادر تخریج کی تفصیلی تقسیم (مصادر اصلیہ اور مصادر فرعیہ) کتاب کا ایک اہم باب ہے جو طالب علم کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ بہت سے مصادر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے ثانوی۔ یہ تفریق علمی تحقیق میں نہایت ضروری ہے۔

۳۔ تخریج کی مختلف اقسام (مطول، متوسط، مختصر) کی تفصیل اس کتاب کا ایک منفرد پہلو ہے۔ مؤلف نے واضح کیا ہے کہ ہر موقع اور ضرورت کے مطابق تخریج کا انداز مختلف ہو سکتا ہے۔ تحقیقی مقالات میں تخریج مطول کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ عام کتابوں میں متوسط یا مختصر تخریج کافی ہو سکتی ہے۔ یہ عملی رہنمائی طلباء کے لیے بے حد مفید ہے۔

۴۔ تخریج کے چھ طریقوں کی تفصیل کتاب کا مرکزی حصہ ہے۔ سند و متن کے اعتبار سے تخریج، راوی اعلیٰ کے ذریعے تخریج، موضوع کے ذریعے تخریج، غریب الفاظ کے ذریعے تخریج، مطلع حدیث کے ذریعے تخریج، اور وصف حدیث کے ذریعے تخریج۔ یہ چھ طریقے مختلف حالات میں کام آتے ہیں۔ مؤلف نے ہر طریقے کو علیحدہ

علیحدہ واضح کیا ہے اور ہر طریقے سے متعلق اہم مصادر کا تعارف پیش کیا ہے۔

۵۔۔عملی احتیاطوں اور عام غلطیوں کا ذکر اس کتاب کو مزید اہم بنا دیتا ہے۔ مؤلف نے واضح کیا ہے کہ تخریج کرتے وقت کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کون سی غلطیاں عام طور پر سرزد ہو جاتی ہیں۔ یہ عملی رہنمائی طلبہ کو بہت سی غلطیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

۶۔۔جدید دور کے الیکٹرانک ذرائع اور سافٹ ویئرز کا تعارف کتاب کو دور حاضر کی ضروریات سے ہم آہنگ بناتا ہے۔ مکتبہ شاملہ، جامع خادم الحرمین، جوامع الکلم، جامع الکتب التسعہ، اور التراث جیسے اہم الیکٹرانک وسائل کا تعارف اس بات کی دلیل ہے کہ مؤلف نے روایتی اور جدید دونوں طریقوں کو یکجا کر دیا ہے۔

مؤلف محترم کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ایک انتہائی اہم لیکن نسبتًا مشکل موضوع کو اردو زبان میں اس قدر سہل اور قابل فہم انداز میں پیش کیا ہے۔

مؤلف کی علمی دیانت داری، محنت، اور فن کی گہری سمجھ اس کتاب کے ہر صفحے سے عیاں ہے۔

یہ کتاب طلبہ و علما سبھی کے لیے یکساں مفید ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مؤلف محترم کی اس کاوش کو قبول فرمائے، ان کی اشاعت علم کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو امت مسلمہ کے لیے نفع بخش بنائے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس علمی خدمت کا بہترین اجر عطا فرمائے اور انہیں مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کیا ہر صاحبِ خلافت، صاحبِ مزار ہوتا ہے؟

رشحات قلم: سرفراز احمد قادری امجدی

آج کے دور میں خلافت اور سجادہ نشینی کا معاملہ ایک نازک اور فکری توجہ کا طالب بن چکا ہے۔ کہیں خلافت کو بے جا تقسیم کیا جا رہا ہے اور کہیں اس عظیم امانت کو محض ظاہری تعلقات اور ذاتی مفادات کی بنیاد پر عطا کیا جا رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ "پدرم سلطان بود" کے مصداق چند افراد سجادہ نشینی کے دعوے دار تھے، مگر اب صورتِ حال اس سے بھی آگے بڑھ کر "کھلی آفت" تک پہنچ چکی ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ بعض حضرات بغیر کسی تحقیق، بغیر تقویٰ و پرہیزگاری کو دیکھے، اور بغیر علمی و عملی خدمات کا جائزہ لیے خلافتیں تقسیم کر رہے ہیں۔ معیار یہ رہ گیا ہے کہ کس نے کتنی بار بلایا، کس نے کتنی خاطر مدارات کی، اور کس سے ذاتی تعلقات مضبوط ہو سکتے ہیں۔ نتیجتاً ایسے افراد بھی "صاحبِ خلافت" بن بیٹھے جو نہ علمی پختگی رکھتے ہیں اور نہ ہی روحانی صلاحیت۔

جب کھلی آفت مل جاتی ہے تو پھر ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے—کرامات کے دعوے، مریدوں کی کثرت، اور اندھی عقیدت۔ سادہ لوح عوام ایسے افراد کے جال میں پھنس کر اپنی دنیا و آخرت دونوں کو نقصان پہنچانے لگتے ہیں۔

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے:

کیا ہر سجادہ نشین یا صاحبِ خلافت ولی اللہ ہوتا ہے؟

کیا ہر وہ شخص جو برسوں مدرسہ میں تدریس کرے، لازماً ولایت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے؟

اور کیا ہر ایسے شخص کا مزار بنا کر اس پر نذر و نیاز کا سلسلہ شروع کر دینا درست ہے؟

اگر ہم شریعت کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی ولی وہی ہے جو کامل طور پر شریعت کا پابند ہو، جس کی زندگی تقویٰ، اخلاص اور اتباعِ سنت سے مزین ہو۔ محض منصب، لقب یا خلافت کا کاغذ کسی کو اللہ کا مقرب بندہ نہیں بنا دیتا۔

ہم نے اپنے اکابرین میں ایسے اولیاء کو دیکھا

ہے جن کے دیدار سے خدا یاد آتا تھا، جن کی زندگی سراپا سنت تھی، اور جن کے اخلاق و کردار خود ان کی ولایت کی گواہی دیتے تھے۔ لیکن اگر ہر عالم، ہر پیر، اور ہر صاحبِ خلافت کے نام پر مزار بنانے کا سلسلہ شروع ہو جائے، تو وہ دن دور نہیں جب سال کے تین سو پینسٹھ دن بھی اعراس کے لیے کم پڑ جائیں گے، اور ہر گاؤں میں کئی کئی مزارات قائم ہو جائیں گے ۔۔۔ مگر اس سے دین و ملت کو کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرزِ عمل نے سب سے زیادہ نقصان مسلکِ اعلیٰ حضرت کو پہنچایا ہے، کیونکہ جعلی پیری مریدی اور بے اصل خلافت نے اس مسلک کی سنجیدگی، علمی وقار اور روحانی عظمت کو متاثر کیا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں، ہر دعوے کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھیں، اور دین کے نام پر پھیلنے والی ان

خرابیوں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

حقیقی اللہ والے کون ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیں

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

(اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ)

ترجمۂ کنزالعرفان: سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

(پارہ ۱۱، سورۃ یونس، آیت: ۶۲/۶۳)

مزید ارشاد پاک ہے:

(اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں کے قریب ہے۔ (سورۃ الاعراف، پ ۰۸، آیت: ۵۶)

مزید ارشاد پاک ہے: (اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ) **ترجمۂ کنزالعرفان:** بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت فرماتا ہے۔

(سورۃ التوبۃ، پ ۱۰، آیت: ۴)

تفسیر صراط الجنان میں ہے "لفظِ "ولی" وِلَاء سے بنا ہے جس کا معنی قرب اور نصرت ہے۔ وَلِیُّ اللہ وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی سے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے نورِ جلال کی معرفت میں مستغرق ہو، جب دیکھے قدرتِ الٰہی کے دلائل کو دیکھے اور جب سنے اللہ عزوجل کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب عزوجل کی ثنا ہی کے ساتھ بولے اور جب

حرکت کرے، اطاعتِ الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے تو اسی کام میں کوشش کرے جو قربِ الٰہی کا ذریعہ ہو، اللہ عزوجل کے ذکر سے نہ تھکے اور چشمِ دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔ یہ صفت اَولیاء کی ہے، بندہ جب اس حال پر پہنچتا ہے تو اللہ عزوجل اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کے بہت سے معنیٰ بیان کئے ہیں، ان میں سے ۳ معنیٰ درج ذیل ہیں:

مستقبل میں انہیں عذاب کا خوف نہ ہوگا اور نہ موت کے وقت وہ غمگین ہوں گے۔

مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز میں مبتلا ہونے کا خوف ہوگا اور نہ ماضی اور حال میں کسی پسندیدہ چیز کے چھوٹنے پر غمگین ہوں گے۔

قیامت کے دن ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ اس دن یہ غمگین ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو دنیا میں ان چیزوں سے محفوظ فرما دیا ہے کہ جو آخرت میں خوف اور غم کا باعث بنتی ہیں۔"

(صراط الجنان، جلد ۴، صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کب تلک آپ پکاریں گے کہ پدرم سلطان؟
آپ خود کو بھی سنواریں گے کہ پدرم سلطان؟
زیب دیتا نہیں یہ رنگ و نسب کا طُرّہ
فطرتِ بد بھی سدھاریں گے کہ پدرم سلطان (فریدی)

آخر میں بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے:

اللہ رب العزت ہمیں ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے، ہمیں مسلکِ اعلیٰ حضرت پر ثابت قدم رکھے، اور جعلی پیروں اور بے بنیاد دعویداروں کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین

اگر آپ چاہیں تو میں اس میں یا بھی شامل کر کے اسے مزید مضبوط بنا سکتا ہوں۔

نوٹ: اس مضمون میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، وہ تمام سجادہ نشینوں یا تمام اصحاب خلافت کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ صرف اُن بعض نام و نمود کے طلبگار اور بے تحقیق خلافت و سجادہ نشینی کے دعویداروں کے متعلق ہے جو اس مقدس منصب کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اہلِ حق، باعمل، متقی اور سچے اولیاء و مشائخ اس تنقید سے مستثنیٰ ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی ہمیشہ عزت و عقیدت قائم ہے۔

☆☆☆☆

اسٹیج کی چکا چوند میں بکتا ہوا دین

راقم الحروف: انیس الرحمٰن حنفی رضوی بہرائچ شریف،
(پرنسپل جامعہ رضویہ زینت العلوم، سرس کھیڑا ضلع مرادآباد یوپی)

اسلام ایک مقدس امانت ہے، اور اس امانت کو نسل در نسل منتقل کرنے کی ذمہ داری ان نفوسِ قدسیہ نے انجام دی جنہوں نے اپنی زندگیاں علم، عمل، تقویٰ، اخلاص اور دعوتِ حق کے لیے وقف کردیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد علماءِ حق نے ہمیشہ امت کی رہنمائی کی، لوگوں کے عقائد کی حفاظت کی، اور دین کو بازار کی جنس بننے سے بچایا۔ مگر تاریخ کا یہ المیہ بھی کم دردناک نہیں کہ ہر دور میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہوتے رہے جنہوں نے مذہب کے مقدس نام کو اپنی دنیاوی اغراض، ذاتی شہرت، مالی مفادات اور وقتی اقتدار کے لیے استعمال کیا۔

آج کا دور سوشل میڈیا، نمائش، مصنوعی شہرت اور جذباتی استحصال کا دور ہے۔ ہر میدان میں اصل اور نقل، خلوص اور ریا، دعوت اور تجارت، اصلاح اور تماشے کے درمیان فرق مٹتا جارہا ہے۔ یہی صورتِ حال دینی جلسوں اور مذہبی اجتماعات میں بھی شدت کے ساتھ دکھائی دے رہی ہے۔ کبھی یہ جلسے اصلاحِ معاشرہ، بیداریٔ ملت، تعلیمِ دین اور عوام کی فکری تربیت کا ذریعہ ہوتے تھے، مگر آج ان میں سے ایک بڑی تعداد محض "ایونٹ" بن کر رہ گئی ہے، جہاں علم کی جگہ شور، اخلاص کی جگہ کاروبار، اصلاح کی جگہ تفریح، اور دعوت کی جگہ شخصیت پرستی نے لے لی ہے۔

پیشہ ور مقرروں، نعت فروش شاعروں، دروغ گو اناؤنسرز اور خلافِ شرع پیرانِ کرام کے نام پر کاروبار کرنے والوں نے دین کو ایک ایسی منڈی میں تبدیل کردیا ہے جہاں آوازوں کی بولی لگتی ہے، شہرت خریدی جاتی ہے، عقیدت فروخت ہوتی ہے، اور عوام کے جذبات کو نوٹوں میں تولا جاتا ہے۔ ان کے گرد کچھ ایسے جاہل منتظمین اور جلسہ باز افراد جمع ہوگئے ہیں جن کا مقصد نہ دین کی خدمت ہے، نہ قوم کی اصلاح، نہ

علم کی اشاعت؛ بلکہ ان کی پوری جدوجہد صرف اس بات پر مرکوز ہوتی ہے کہ کس مقرر کی "مارکیٹ" زیادہ گرم ہے، کون زیادہ مجمع کھینچ سکتا ہے، کس کی آواز پر عوام زیادہ نوٹ نچھاور کرتے ہیں، اور کون سوشل میڈیا پر زیادہ "وائرل" ہو سکتا ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ دین کے نام پر ہونے والی اس تجارت میں نہ صرف عوام کا مال لوٹا جا رہا ہے بلکہ دین کی عزت، علماء کی وقعت اور مذہبی اجتماعات کی روح بھی مجروح ہو رہی ہے۔ جلسوں کے بعد رقم کی تقسیم پر جھگڑے، گالی گلوچ، ایک دوسرے کی کردار کشی، سازشیں، دھوکہ دہی، خفیہ کمیشن، اور باہمی دشمنیاں اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہیں۔ پہلے یہ سب کچھ چند بستیوں اور مخصوص حلقوں تک محدود تھا، مگر اب سوشل میڈیا نے ان سب کے چہروں سے نقاب نوچ لیا ہے۔ آج عوام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسٹیج پر عشقِ رسول ﷺ کے نعرے لگانے والے پسِ پردہ کس طرح دولت، شہرت اور مفاد کی جنگ لڑتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی نہایت تلخ ہے کہ بہت سے جلسے اب اصلاحی مراکز نہیں بلکہ جذباتی سرکس بن چکے ہیں، جہاں سامعین کی دینی تربیت کے بجائے ان کی وقتی جذباتیت کو بھڑکایا جاتا ہے۔ کہیں جھوٹے خواب سنائے جاتے ہیں، کہیں من گھڑت کرامات، کہیں بے سند واقعات، کہیں مخالفین پر بازاری حملے، کہیں مصنوعی رقت آمیز آوازیں، کہیں عقیدت کے نام پر شرکیہ انداز، اور کہیں دین کے نام پر چندہ خوری کا منظم کاروبار۔

مقرر بول رہا ہوتا ہے مگر مقصد اصلاح نہیں بلکہ اپنی "برانڈنگ" ہوتی ہے؛ شاعر نعت پڑھ رہا ہوتا ہے مگر اس کے پیشِ نظر حضور ﷺ کی محبت سے زیادہ اپنی بکنگ اور معاوضہ ہوتا ہے؛ اناؤنسر عوام کو جوش دلا رہا ہوتا ہے مگر در حقیقت وہ جذبات کو نقدی میں تبدیل کرنے کی مہارت دکھا رہا ہوتا ہے۔

یہ صورتِ حال صرف چند افراد کا انفرادی فساد نہیں بلکہ پورے دینی ماحول کے لیے ایک خطرناک بحران ہے۔ جب دین کا تعلق اخلاص کے بجائے کاروبار سے جڑ جائے، جب علم کے بجائے اداکاری کو ترجیح ملنے لگے، جب تقویٰ کے بجائے شہرت معیار بن جائے، اور جب عوام کے جذبات کو لوٹنا "فن" سمجھا جانے لگے، تو پھر ایسے ماحول میں حقیقی علماء، مخلص داعیانِ دین اور خاموش خدمت گزار افراد پس منظر میں چلے

جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کی فکری بنیادیں کمزور ہوتی ہیں، عوام دین سے بدظن ہوتے ہیں، اور نوجوان مذہبی طبقے کو ایک تماشائی گروہ سمجھنے لگتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے دعوت و تبلیغ کو کبھی تجارت نہیں بنایا۔ اکابر علماء اور اولیاء نے ہمیشہ قناعت، سادگی، اخلاص اور بے نفسی کے ساتھ دین کی خدمت کی۔ ان کی مجلسوں میں علم ہوتا تھا، کردار ہوتا تھا، اصلاح ہوتی تھی، خوفِ خدا ہوتا تھا؛ نہ کہ مصنوعی شور، ذاتی تشہیر اور دولت کی ہوس۔ آج اگر مذہبی جلسے اپنی اصل روح کھو چکے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اخلاص کی جگہ مفاد نے لے لی ہے۔

لہٰذا وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ ملت ان پیشہ ور دین فروشوں کے فریب کو سمجھے، جلسوں کو تجارت بننے سے بچائے، اور دین کے نام پر ہونے والی اس لوٹ کھسوٹ کے خلاف سنجیدہ اصلاحی آواز بلند کرے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ جذباتی نعروں اور مصنوعی خطابت کے بجائے علم، کردار، دیانت اور اخلاص کو معیار بنائیں۔ ہر بستی میں درجنوں نام نہاد "اسٹار مقرروں" کو بلانے کے بجائے اپنے علاقے کے کسی مستند، باعمل اور مخلص عالمِ دین کو عزت کے ساتھ بلائیں، مختصر مگر علمی و اصلاحی نشست منعقد کریں، تاکہ جلسے پھر سے اصلاحِ امت کا ذریعہ بن سکیں، نہ کہ دین کے نام پر دنیا کمانے والوں کی کمائی کا بازار۔

کیونکہ جب دین اسٹیج کی چکاچوند سے نکل کر اخلاص کی روشنی میں واپس آئے گا، تبھی امت کی اصلاح ممکن ہوگی۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب عوام مذہبی اجتماعات کو عبادت نہیں بلکہ ایک کاروباری تماشا سمجھنے لگیں گے، اور یہ المیہ صرف چند افراد کا نہیں بلکہ پوری ملت کے زوال کا عنوان بن جائے گا۔

قربانی کا مقصد

-------------------- رشحات قلم: محمد ثناء اللہ فیضی، ججیلا اعظم نگر کٹیہار (بہار)

مخصوص ایّام میں بہ نیت تقرّب مخصوص جانور کو ذبح کرنا قربانی ہے۔

قربانی عظیم عبادتوں میں سے ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی محض خون بہانے کا نام نہیں، بلکہ تقرّب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔

خالق کائنات کا فرمان مقدس ہے:

"لن يّنال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يّناله التّقوىٰ منكم" ترجمہ: اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون بلکہ تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔ (الحج: ۳۷)

قربانی کا اصل مقصد حصول لحم نہیں، بلکہ رضائے الٰہی، اور تقرّب الی اللہ ہے۔

قربانی اسلام کی نہایت اہم اور عظیم عبادت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کا ایک بہترین طریقۂ اظہار ہے، یہ مبارک عمل کی اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس بے مثال قربانی کی یادگار ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص، وفاداری اور فرماں برداری کو پسند فرمایا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ عطا فرمادیا۔

اسی عظیم واقعہ کی یاد میں مسلمان ہر سال عید اضحیٰ کے موقع پر جانور قربان کرتے ہیں، اس عبادت کے ذریعے انسان اپنے دل میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز عزیز نہیں، قربانی مسلمانوں کے درمیان محبت، ہمدردی، اور بھائی چارے کو بھی فروغ دیتی ہے، کیونکہ اس کا گوشت غریبوں، محتاجوں، اور رشتہ داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اسلام میں قربانی کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور مالک نصاب مسلمان کے لیے ایّام نحر میں قربانی کرنا واجب قرار دیا گیا ہے، اس عبادت سے انسان کو روحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے، اس لیے ہر

مسلمان اس عبادت کو نہایت شوق، عقیدت اور اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

قربانی کے فضائل کے متعلق چند حدیثیں پیش کی جاتی ہے۔

قربانی کے اہم فضائل:

حدیث۱: ابوداود، ترمذی وابن ماجہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں، اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ، اور بال، اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے، لہذا اس کو خوش دلی سے کرو۔"

حدیث۲: طبرانی حضرت امام حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) سے راوی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے خوشی دل سے طالب ثواب ہوکر قربانی کی وہ آتش جہنم سے حجاب (روک) ہوجائے گی۔"

حدیث۳: طبرانی ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے راوی کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں۔"

حدیث۴: ابنِ ماجہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے فرمایا: "ہر بال کے مقابل نیکی ہے" عرض کی اُون کا کیا حکم ہے فرمایا: "اُون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے۔" (بہار شریعت، قربانی کا بیان، جلد ۳، حصہ ۱۵، صفحہ ۳۳۸، ۳۳۷)

قربانی میں خرچ ہونے والا مال شرف مقبولیت کا ذریعہ بنتا ہے۔

قربانی کا ہر لمحہ اطاعت الٰہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت ہے، اور یہ اسلام کے شعائر میں سے ایک اہم شعار ہے۔

قربانی کس پر واجب:

قربانی: مسلمان۔ مقیم۔ مالک نصاب۔ آزاد پر واجب ہے۔

مالک نصاب سے اتنا مال مراد ہے جتنا مال سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، یعنی حاجت اصلیہ کے علاوہ دو سو درہم (ساڑھے ۵۲، تولہ چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے ۷، تولہ سونا) کا مالک ہو۔

اختلاف کو افتراق نہ بنائیں

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قلم کار: محمد احسان مصطفیٰ، درجہ: دورۃ الحدیث، متعلم: جامعۃ المدینہ فیضانِ عطار ناگ پور

علما و مشائخ وہ روشن چراغ ہیں، جو امت مسلمہ کی فکری، علمی، عملی، راہ نمائی کرتے ہیں۔ ان کی نکتہ فہمی، دینی خدمات و کردار امت کے لیے باعثِ سربلندی ہیں۔ ان کا ہر ارشاد، ہر شرعی رائے، اور ہر فکری زاویہ امت کی فکری سفر و تشکیل پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ ان علما کا احترام محض ان کی مسلکی وابستگی کی بنا پر نہیں، بلکہ ان کی دیانت، علم، عمل، حلم اور اخلاص کی بنیاد پر بھی کیا جاتا ہے۔

اگر چہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل علم کے مابین بعض فقہی یا نظریاتی امور میں اختلافات پائے جاتے ہیں، مگر تنازعات کی نوعیت ہمیشہ علمی ہی رہی ہے، نہ کہ شخصی۔ وہ نااتفاقیاں کبھی ان کے دلوں میں لا تعلقی پیدا نہیں کیں، بلکہ ان کے درمیان محبت، باہمی احترام اور تحمل کی خوش گوار فضا ہمیشہ قائم و دائم رکھیں۔

اس کی ایک عظیم مثال ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اور بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے با صلاحیت شاگرد امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اگر چہ یہ دونوں شاگرد کئی فروعی مسائل میں اپنے استاذ سے علمی اختلاف رکھتے تھے، مگر ان کا ادب، احترام، اور اخلاص کبھی کم نہ ہوا۔

لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف مثلاً: "المبسوط" اور "الجامع الصغیر" میں کئی فروعی مسائل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے مختلف ہیں، مگر ان کا دل استاذ کی محبت و ادب سے سرشار تھا۔ یہ اختلاف صرف فروعی تھا، اور دائرۂ تہذیب و خلوص میں رہا۔ نہ کبھی زبان میں بدلحاظی آئی، نہ دل میں بغاوت۔

یہ طرزِ عمل اس بات کی عملی تصویر کشی ہے کہ فروعی اختلاف کو افتراق اور تفرقے میں بدلنا ایک خطرناک غلطی ہے۔ چناں چہ آج کے دور میں بھی اگر دو سنی علما کسی فروعی مسائل میں مختلف رائے رکھتے ہیں، تو یہ کوئی نیا یا ناقابل قبول امر نہیں۔ اور سلف و صالحین کا طریقہ کار یہی رہا ہے کہ اختلاف کو "اختلاف" کی حد تک محدود رکھتے تھے، اور

اس کو اتحاد، اور تعاون کے دائرے سے باہر جانے نہ دیا کرتے تھے۔ ان حضرات کا باہمی میل جول، مجالسِ علم میں شرکت، اور ایک دوسرے سے حسنِ سلوک اس بات کی دلیل ہیں کہ فکر کا اختلاف، بھائی چارے کی بنیاد کو کمزور نہیں کرتا، بلکہ اسے مزید مستحکم کرتا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف صرف فروعی وہ فقہی مسائل تک محدود ہے۔ جن میں اختلاف نہ صرف قابلِ قبول بلکہ امت کے لیے باعث رحمت ہے۔ رہا عقائد واصولِ دین اس میں کسی قسم کا انحراف ہرگز قابل قبول نہیں مثلاً توحید، قرآن و سنت کی حقانیت، ختم نبوت، رسالت، صحابہ کرام کی عظمت و شان یہ وہ بنیادی عقائد ہے جن سے روگردانی اہل سنت کے دائرے سے خارج کر دیتا ہے۔

یہی طرزِ فکر امت کے لیے باعثِ نجات جب کہ اس کا برعکس امت کو تفرقہ اور گمراہی میں ڈالنے کا سبب ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اسلاف کے ان روشن نمونوں سے سبق لیں، اور اختلاف کو دلیل، فہم، اور وسعتِ نظر کا ذریعہ بنائیں، نہ کہ نفرت، تفرقے اور تعصب کا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اصحابِ علم کی عمروں میں برکت دے، ان کے علم سے امت کو فائدہ پہنچائے، اور ان کے درمیان محبت، الفت، وحدت اور اخلاص کو قائم رکھے۔

آمین یارب العالمین۔

نعتِ رسول پاک ﷺ

------------------------------------ازقلم:فقیر توحیدؔ عالم رضوی رامپوری

ہیں آپ ہی وجہِ تخلیقِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
اور نازشِ آدم و ابنِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

حسن و شمائل میں سب سے جدا ہیں، ہر ایک بیمار دل کی دوا ہیں
ہے ذاتِ پاک اُن کی سب سے معظم صلی اللہ علیہ وسلم

رَکھّو تصور میں شہرِ مدینہ، پاؤگے تم زندگی کا قرینہ
فیضان برسائیں گے جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے جس کے دل میں محبت تمہاری، بیشک ہے اُس پر عنایت تمہاری
کیسے جلائے گی اُس کو جہنم، صلی اللہ علیہ وسلم

مختارِ کُل رب نے تجھ کو بنایا، زیرِ قدم عرشِ اعظم بچھایا
ہے حمد کا تیرے ہاتھوں میں پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

کوئی جہاں میں نہیں تم سے افضل، تم ہی ہو آخر تم ہی ہو اوّل
رب نے کِیا تم کو سب سے مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم

میری بھی قسمت جگائیں گے آقا، روضے پہ اپنے بلائیں گے آقا
پلوائیں گے مجھ کو بھی آبِ زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

توحیدؔ! دیدار کی ہے طلب گر، ہر رات سونے سے پہلے پڑھا کر
صلی اللہ علیہ وسلم - صلی اللہ علیہ وسلم

نعتِ رسول معظم ﷺ

ازقلم: محمد ابوذر فاتح الحنفی

جہالتوں کو سبق یوں سکھائے آقا ﷺ نے
نقوشِ عہدِ گزشتہ مٹائے آقا ﷺ نے

جہاں میں عدل کا پرچم اُٹھائے آقا ﷺ نے
نظامِ ظلم کے مرکز گرائے آقا ﷺ نے

چراغِ فکر سے دنیا کو نور بخشا ہے
ذہن میں فکر کے طوفاں اٹھائے آقا ﷺ نے

گئے تھے طورِ تمدن جہاں سے مٹنے کو
زمیں کو پھر سے سلیقے سکھائے آقا ﷺ نے

وفا کے رنگ مٹے تھے جہاں کے منظر سے
خزاں کے بعد چمن پھر بسائے آقا ﷺ نے

فروغِ نور سے باطل کے دام توڑے ہیں
اندھیری رات میں دیپک جلائے آقا ﷺ نے

صدائے حق کو زمانے میں عام فرما کر
دلوں میں علم کی دیپک جلائے آقا ﷺ نے

کمالِ فہم کو افکارِ نو عطا کرکے
نئے شعور کے جگنوں اُڑائے آقا ﷺ نے

نہ لب ہلے، نہ کوئی آہ کی صدا آئی
کمالِ صبر کا منظر دکھائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

زبانِ عشق کو معیارِ حق عطا کر کے
محبتوں کے سفینے چلائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

شبِ ستم میں چراغِ وفا جلائے ہیں
امید و خواب کے دیپک جلائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

خدا نے بھیجا معلم بنا کے دنیا میں
جمالِ علم کے جلوے دکھائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

مرے کریم نے اتنا دیا کہ پوچھو مت
سخا و جود کے دریا بہائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

بدل دی ظلمتِ دوراں کی ہر پرانی روش
نظامِ نو کا چراغاں جلائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

زوالِ فکر کو بخشا عروجِ فہم و عقل
فروغِ فہم کے چشمے بہائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

رضا و کافی و جامی و سعدی و خسرو
قلم کو وقف کیا ہر فدائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

بنا کے علم کی بزمیں جہان میں فاتح
جہالتوں کے اندھیرے مٹائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہاں تھی لذتِ تحریر پہلے فاتح میں
سکھائی طرزِ سخن خود ثنائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ننے

نعتِ رسول اکرم ﷺ

------------------------رشحات قلم: محمد انیس القادری رضوی غوثی غفرلہ

جس پہ نازل ہوا قرآن ہے سبحان اللہ
ذات وہ مظہر رحمٰن ہے سبحان اللہ

رب نے بخشی جو ہمیں جان ہے سبحان اللہ
یا نبی آپ کا فیضان ہے سبحان اللہ

بھیج کر سرورِ عالم کو جہاں میں رب نے
مومنوں پر کیا احسان ہے سبحان اللہ

وجہ تخلیق دو عالم ہیں رسولِ اکرم
رب کعبہ کا یہ فرمان ہے سبحان اللہ

آمد سرورِ عالم کی خبر سنتے ہی
آئی کونین میں مسکان ہے سبحان اللہ

خاک پائے شہ ابرار کا صدقہ دیکھو
مہکا مہکا یہ گلستان ہے سبحان اللہ

جلوہ فرما ہیں جہاں شافعِ روزِ محشر
رب کی رحمت وہاں ہر آن ہے سبحان اللہ

ہر گھڑی اِس لئے پڑھتا ہوں درود آقا پر
میرے عقبیٰ کا یہ سامان ہے سبحان اللہ

عشقِ سرکار سے سرشار ہے دھڑکن میری
دل مرا عشق کا جزدان ہے سبحان اللہ

کر رہا ہوں میں شہنشاہ مدینہ کی ثنا
سنت حضرت حسان ہے سبحان اللہ

دہر میں جتنے ثنا گر ہیں شہ دیں تیرے
سب پہ جاری ترا فیضان ہے سبحان اللہ

آمد سرورِ کونین کی محفل ہے سجی
نعتیہ شاعری عنوان ہے سبحان اللہ

ہو گیا جس پہ شہنشاہِ مدینہ کا کرم
بندہ وہ دہر کا سلطان ہے سبحان اللہ

سر پہ رکھنے کو ملے جس کو بھی نعلین نبی
کتنا خوش بخت وہ انسان ہے سبحان اللہ

دیکھ کر جس کو کٹیں مصر میں اُنگشت زناں
"وصف اُس حسن کا قرآن ہے سبحان اللہ"

مہ جبینوں کو ملا حسن ہے جس کے صدقے
"وصف اُس حسن کا قرآن ہے سبحان اللہ"

دیکھ لوں موت سے پہلے میں مدینہ اُن کا
بس یہی آخری ارمان ہے سبحان اللہ

ڈوب کر عشق نبی میں جو رضا نے لکھا
کیا حسیں نعتیہ دیوان ہے سُبحان اللہ

جس کو کہتا ہے جہاں مسلک اعلیٰ حضرت
اہل سنت کی وہ پہچان ہے سبحان اللہ

اِس لیے ناز میں کرتا ہوں مقدر پہ انیسؔ
نعت خوانی مری پہچان ہے سبحان اللہ

☆☆☆☆☆

اعلانِ اشاعت

ادارۂ **ماہنامہ فخر بہار** خوشی کے ساتھ اہلِ قلم کو مطلع کرتا ہے کہ آئندہ شمارے کے لیے معیاری مضامین، تحقیقی مقالات، اصلاحی و دینی تحریریں اور حالاتِ حاضرہ پر مبنی سنجیدہ مضامین طلب کیے جارہے ہیں۔

اہلِ علم و قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی نگارشات مقررہ مدت کے اندر ارسال فرمائیں۔ منتخب مضامین کو آئندہ شمارے میں مناسب اہتمام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

مزید تفصیلات اور ارسالِ مضامین کے لیے ادارہ سے رابطہ فرمائیں واٹس ایپ پر 6203087421۔

والسلام
ادارۂ ماہنامہ فخر بہار

یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن
کی دینی خدمات

تاج الشریعہ کی علمی وروحانی خدمات کو جاری رکھنے کے لیے قائم کی گئی یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن دینی تعلیمی اور فلاحی میدان میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ یہ ادارہ مدارس ومکاتب کی سرپرستی، دینی کتب کی اشاعت، طلبہ کی معاونت اور عقائد اہلِ سنت کے فروغ کے لیے علمی واصلاحی پروگرام منعقد کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فاؤنڈیشن رفاہی سرگرمیوں جیسے مستحقین کی امداد، راشن کی تقسیم اور سماجی خدمت کے کاموں میں بھی پیش پیش رہتی ہے۔ یوں یہ ادارہ علم وعمل، دعوت وخدمت اور روحانیت واصلاح کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو قبول فرمائے اور اسے دین اسلام کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد فرحان رضا قادری ازہری
صدر یادتاج الشریعہ فاؤنڈیشن